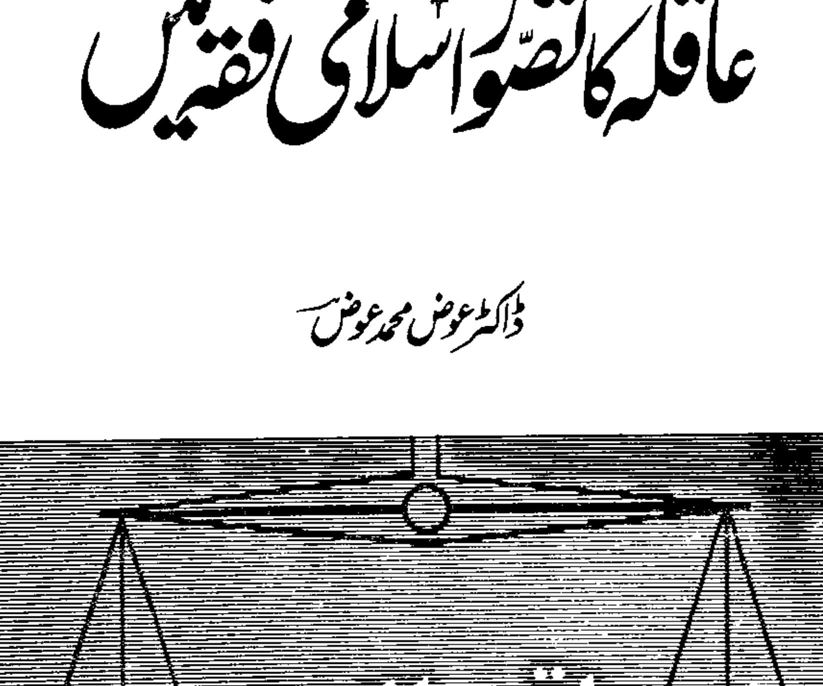
عاقلہ کا تصور اسلامی فقہ میں

ڈاکٹر عوض محمد عوض



بسم الله الرحمن الرحيم

عاقلہ کا تصور اسلامی فقہ میں

ڈاکٹر عوض محمد عوض

ترجمہ

ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی

سلسلہ مطبوعات شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد

نمبر: ٦

تالیف	:	ڈاکٹر عوض محمد عوض
ترجمہ	:	ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی
ادارت	:	ڈاکٹر محمد میاں صدیقی
ناشر	:	شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
	:	اسلام آباد
طابع	:	اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پریس
طبع اول	:	دسمبر ١٩٩٣ء
تعداد	:	دو ہزار
قیمت	:	

برائے رابطہ
شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
مکان نمبر ٦٣، گلی نمبر ٢٥، F-10/1،
اسلام آباد

فہرست عنوانات

تقدیم

اس امر پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ اسلامی شریعت کے پانچ بنیادی مقاصد میں دین کی حفاظت کے بعد سب سے اہم مقصد انسانی جان کی حفاظت ہے۔ قرآن مجید میں ایک انسانی جان کا بیجا قتل ساری انسانیت کے قتل کے مترادف اور ایک انسانی جان کی حفاظت ساری انسانیت کی حفاظت کے قائم مقام قرار دی گئی ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کردہ جملہ احکام بالواسطہ یا بلاواسطہ ان پانچ مقاصد کے حصول کے لئے دیئے گئے ہیں:

۱۔ تحفظ دین یعنی دین حق کی بقاء' تحفظ اور نشر و اشاعت

۲۔ تحفظ نفس' یعنی انسانی جان کی حفاظت

۳۔ تحفظ عقل' یعنی ایک ذی ہوش اور ذی عقل مخلوق کی حیثیت سے انسان کی حفاظت اور بقاء' ان امور اور اسباب و دواعی کا سد باب جو انسانی عقل اور اس کی سوچنے سمجھنے اور معاملات کا صحیح اور بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتے ہوں۔

۴۔ تحفظ نسل' یعنی نسل انسانی کی بقاء ' بقائے نسل کے طریقہ اور حقوق کی نگہداشت اور ان اسباب و دواعی کا سدباب جو جائز' قانونی اور اخلاقی ذرائع سے نسل انسانی کے تسلسل پر اثر انداز ہوتے ہوں۔

۵۔ تحفظ مال' یعنی جائز طور پر حاصل کردہ مال و دولت اور جائیداد کی حفاظت

جیسا کہ ہر دیکھنے والے کو اندازہ ہو گا' ان کلیات میں سے تین کا تعلق براہ راست انسان اور اس کی انسانیت سے' ایک کا تعلق اس کی اس حیثیت سے ہے کہ وہ خلیفہ اللہ ہے' اور پانچویں کا تعلق اس کی املاک و جائیداد سے ہے۔ گویا شریعت اسلامیہ کے جملہ احکام کا مقصد بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر انسان' انسانیت' مقام انسانیت اور ممتلکات انسان کی حفاظت ہے۔ پوری اسلامی شریعت اور فقہ اسلامی کے جملہ ذخائر اس اجمال کی تفصیل سے عبارت ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث نبویہ (علی صاحبھا الف الف صلاۃ و تحیۃ) میں انسانی جان کے تقدس و تحفظ کے سلسلہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کی تفصیل کا نہ یہاں موقعہ ہے اور نہ ان محدود صفحات میں اس کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ ان سب احکام کو سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ نے اس مشہور اور لافانی کلیہ کی شکل دے دی ہے جو اسلامی قانون فوجداری کی شاید اہم ترین دفعہ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ آنجناب نے فرمایا تھا: لایبطل دم فی الاسلام' اسلام میں کوئی خون رائگاں نہ جائے گا۔ یعنی اسلام میں ایسی کوئی صورت نہیں کہ کسی شخص کی جان ناحق لے لی جائے اور اس کا اسلامی حکومت کوئی نوٹس نہ لے۔ اگر قاتل موجود اور معلوم ہے تو اس سے قصاص یا دیت لی جائے' اس کے لئے دیت ادا کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے عاقلہ یا اسلامی حکومت دیت ادا کرے' اگر قاتل موجود اور معلوم نہیں ہے تو پھر قسامت یعنی اجتماعی قسم اور اجتماعی تاوان ہوگا' اگر قاتل موجود اور معلوم بھی نہیں اور کسی بستی یا علاقہ یا محلہ کے لوگوں پر شبہ کرنے کی مضبوط وجوہ بھی موجود نہیں تو پھر ریاست اس کی دیت ادا کرے' حتی کہ اگر کسی شخص کا کوئی وارث بھی نہ ہو تو بھی ریاست ایک مد سے اس کی دیت ادا کر کے دوسری مد میں داخل کرے۔ غرض یہ سب صورتیں اسی کلیہ کے عملی نفاذ کی مختلف شکلیں ہیں کہ اسلام میں کوئی خون رائیگاں نہیں جائے گا۔

اس اہم اور بنیادی قاعدہ کے علاوہ چند ایک اور اہم نکات بھی ہیں جن کو

اسلامی قوانین کے مطالعہ کے وقت عموماً اور قوانین قصاص و دیت کے مطالعہ کے وقت خصوصاً پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ وہ بنیادی تصورات ہیں جن پر قصاص و دیت کے بہت سے احکام کا دارومدار ہے اور جن سے واقفیت حاصل کئے بغیر بہت سے معاملات میں اسلام کی پوزیشن کو سمجھنے میں الجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

۱۔ اسلامی شریعت کی بالادستی کا قیام اور اسلامی احکام کا نفاذ امت مسلمہ کی اجتماعی زمہ داری ہے۔ قرآن مجید کے قریب قریب تمام احکام کے مخاطب مجموعی طور پر سارے مسلمان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت کا نفاذ امت مسلمہ کی اجتماعی زمہ داری ہے اور فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر شریعت کے کسی حکم کی معاشرہ میں کھلم کھلا خلاف ورزی ہو رہی ہو تو معاشرہ کے ہر ہر فرد۔ مسلم فرد۔ کی شرعاًیہ زمہ داری ہے کہ وہ اس نافرمانی کو روکنے کی حتی الوسع کوشش کرے۔ اب جو شخص اس میں جتنی کوتاہی کرے گا وہ اتنا ہی زمہ دار اور علی ہذا اتنا ہی گناہ گار متصور ہو گا۔ قرآن مجید کا صاف اعلان ہے کہ جس معاشرہ میں اجتماعی طور پر اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی ہو رہی ہو وہ سارا معاشرہ اللہ تعالی کی پکڑ اور گرفت کا شکار ہو گا اور وہ لوگ بھی اس کی زد میں آئیں گے جنھوں نے چاہے عملاً اس برائی کا ارتکاب نہ کیا ہو لیکن وہ اس کے مجرم ہوں کہ برائی کو پھیلتے اور قوع پذیر ہوتے دیکھتے رہے اور اس کو روکنے کی جدوجہد نہ کی۔

۲۔ اسلامی معاشرہ میں ہر فرد دوسرے کا کفیل ہے۔ اسلام میں مغربی انداز کے ایسے کسی معاشرہ کا کوئی تصور موجود نہیں ہے جس میں بقول مولانا رومی: کسے ربا کسے کارے نہ باشد کی روح کار فرما ہو۔ اس کے برعکس یہاں ہر شخص ایک دوسرے کا کفیل، نگران اور نگہبان ہے۔ اگر کوئی شخص تکافل کی اس زمہ داری کو نبھانے میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ شرعاً مجرم ہے۔ اس اصول کے تحت اسلام کے بہت سے احکام مرتب کئے گئے ہیں۔ خود قرآن مجید اور سنت رسول میں اس اصول کی بنیاد پر بہت

سے احکام دیئے گئے۔ والدین اور رشتہ داروں کے بعد جن لوگوں کے لئے نیکی کرنے کا حکم ہے ان میں جار ذی القربی (رشتہ دار ہمسایہ)' الجار الجنب (اجنبی ہمسایہ) اور الصاحب بالجنب (برابر کا رفیق' مصاحب' ہم سفر وغیرہ) کو اولین حیثیت حاصل ہے پڑوسی کے حقوق سے متعلق احادیث کو عموماً اخلاقی ہدایت قرار دے کر نظرانداز کر دیا جاتا ہے' لیکن یہ محض اخلاقی ہدایات نہیں ہیں بلکہ قانونی احکام ہیں' حتی کہ ان کی بنیاد پر بعض فقہاء (مثلاً ابن حزم) نے یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ اگر کسی شخص کو کھانے پینے کو کچھ میسر نہ ہو اور اس کے پڑوسی استطاعت کے باوجود اس کی مدد نہ کریں تو وہ جبرا ان سے بقدر ضرورت لے سکتا ہے۔ اس طرح دو ہم سفروں کے بارے میں بھی کہا گیا ہے' اگر ایک انتہائی ضرورت مند ہو اور دوسرا اس کی ضرورت کا خیال کر کے اس کی حاجت کو پورا نہ کرے تو ضرورت مند ساتھی طاقت کا استعمال کر کے اپنا حق لے سکتا ہے۔

۳۔ اسلامی ریاست میں اچھائی کو قائم رکھنا اور برائی کو روکنا ہر مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے۔ ایک اسلامی معاشرہ میں اسلام کی بیان کردہ تمام اچھائیوں (معروفات) کو قائم کرنا اور تمام برائیوں (منکرات) کو ختم کرنا اور اس ضمن میں ہر ممکن کردار ادا کرنا مسلمانوں کے لئے فرض کفایہ ہے۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کی بنیادی خصوصیت ہی یہ بتائی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اچھائی کی تلقین کرتے ہیں' برائیوں سے باز رہنے کا درس دیتے ہیں' ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کرتے رہتے ہیں۔

(وتواصوا بالحق) اور ایک دوسرے کو صبرواستقلال اور ثابت قدمی کی نصیحت کرتے رہتے ہیں (وتواصوا بالصبر) لہٰذا اگر مسلمانوں کا کوئی معاشرہ اس بنیادی خصوصیت سے عاری ہو گا تو اس کو ایک مکمل اسلامی معاشرہ نہیں کہا جا سکے گا۔

۴۔ بیشتر مغربی تصورات ریاست کے برعکس اسلامی ریاست اپنا ایک فعال نظریاتی کردار رکھتی ہے۔ اسلامی نظریہ کی بقاء' بالادستی اور نشر و اشاعت اس کا اولین اور سب سے بنیادی فریضہ ہے۔ رائج الوقت سیکولر تصورات کے زیر اثر ہمارے ہاں یہ خیال عام ہونے لگا ہے کہ ریاست کا کوئی فعال نظریاتی کردار ہونا ضروری نہیں بلکہ ریاست کو ملک میں موجود تمام نظریات (اور بالخصوص مذہبی نظریات) کے بارہ میں غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس غلط گمراہ کن خیال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام کے بہت سے احکام کی غلط تعبیر و تشریح کرنا پڑتی ہے بالخصوص اسلامی اخلاقیات کی نگہداشت کے ضمن میں ہمارے فقہاء نے جو بحثیں کی ہیں اور اس سلسلہ میں ریاست کے کردار کی جو وضاحت کی ہے اس پر بہت سے لوگ چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ اسی طرح غیر مسلموں اور ذمیوں سے متعلق بعض احکام کو سمجھنے میں بھی اسی وجہ سے دقت ہوتی ہے کہ ان کو اسلامی ریاست کے مخصوص دینی و نظریاتی کردار کے پس منظر میں نہیں دیکھا جاتا۔

۵۔ اسلامی ریاست کا نظم و نسق اور حکمرانی کا اختیار ایک امانت ہے جس کے تحمل اور ادائیگی میں پوری امت شریک ہے' حکمرانوں کی حیثیت امت کے نمائندگان مجاز اور وکیل کی ہے جن کا تقرر امت بالواسط اپنے ارباب حل وعقد کے ذریعہ یا اگر حالات ووسائل اجازت دیں تو بلاواسطہ کرتی ہے۔

۶۔ اسلامی ریاست میں حکومت اور عوام کا تعلق بڑا گہرا ہے۔ دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق و فرائض عائد ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کا مددگار اور خیر خواہ قرار دیا گیا ہے۔ اس گہرے تعلق کے بہت سے مظاہر ہیں جن کی بنیاد پر متعدد قانونی اور دستوری احکام وضع ہوئے ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اس تعلق کا ایک مظہر یہ کلیہ بھی ہے جس کو حدیث پاک میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: السلطان ولی من لا ولی لہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کی ولی حکومت ہے۔ لہٰذا جس شخص کا

کوئی وارث نہ ہو اس کی وارث حکومت ہوگی اور اس کا ترکہ بیت المال میں جائے گا' جو شخص مقروض ہو اور مرجائے اور اس کا قرضہ ادا کرنے کے لئے اس کا کوئی وارث بھی موجود نہ ہو تو اس کا قرضہ حکومت ادا کرے گی اگر کسی مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کی دیت بیت المال میں جمع کرائی جائے گی' اسی طرح اگر قتل خطا میں کسی قاتل کی کوئی عاقلہ نہ ہو تو اس کی طرف سے بیت المال دیت ادا کرے گا۔

یہ ہیں وہ چند بنیادی اصول جن پر اسلام کے قانون قصاص و دیت کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے اس ضمن میں سب سے پہلا رہنما اصول وہی ہے جس کی طرف سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا لایبطل دم فی الاسلام (اسلام میں کوئی خون رائیگاں نہ جائے گا)۔ اس راہنما اصول کو قرآن مجید کی آیت ولکم فی القصاص حیاۃ ' یا اولی الالباب (اے عقل والو۔ تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے) کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے اور مذکورہ بالا دوسرے اصول اور دیت کی آیات سامنے رہیں تو قانون قصاص و دیت کی ساری گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔ اس مختصر تحریر میں قصاص و دیت کے جملہ احکام کا نہ استقصاء مقصود ہے نہ ان سب کی تشریح و توضیح۔ یہاں ایک ایسے اہم مسئلہ پر معروضی انداز میں اظہار خیال مقصود ہے جو اسلام کے قانون قصاص و دیت کے نفاذ کے سلسلہ میں ایک طویل بحث کا موضوع بنا رہا ہے۔ میری مراد اسلام تصور عاقلہ سے ہے۔

یہ اسلامی قانون قصاص و دیت کا سب معرکہ الاراء حصہ ہے جس پر وطن عزیز میں گزشتہ پچیس سال کے دوران مسلسل بحث ہوتی رہی ہے۔ یہاں ان شبہات و اعتراضات کو دہرانے کی ضرورت نہیں جو عاقلہ کے اسلامی تصور کے بارے میں وقتاً فوقتاً بیان کئے جاتے ہیں۔ یہاں اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ عاقلہ کا اصول سنت کی تینوں قسموں۔ قولی' فعلی' تقریری' کے علاوہ امت کے تعامل اور صحابہ کرام تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اجماع سے ثابت ہے۔ لہٰذا ایک طے شدہ اسلامی اصول کو محض

اس بنیاد پر ترک کرنے کا مشورہ دینا۔ چاہے مشورہ دینے والی شخصیت کتنی ہی بڑی ہو۔ کہ اس زمانہ میں اس اصول پر عمل کرنے میں بعض مشکلات اور دقتیں ہیں ایک مخلص مسلمان کا رویہ نہیں ہو سکتا۔ اسلامی رویہ یہ نہیں کہ شریعت کے احکام کو نافذ کرتے وقت یہ دیکھا جائے کہ معروضی حالات میں کون سا حکم کس حد تک قابل عمل ہو گا اور جو حکم قابل عمل نظر آئے یا جس میں دنیاوی فوائد نظر آتے ہوں وہ اختیار کر لیا جائے اور بقیہ احکام کو ترک کرنے کا مشورہ دیا جائے۔ بلکہ صحیح اسلامی رویہ یہ ہے کہ اگر معروضی حالات شریعت کے احکام سے مطابقت نہیں رکھتے تو ان کو بدل کر شریعت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جائے۔ گر زمانہ باتونہ معازو تو بازمانہ ستیز

اس امر پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ عاقلہ سے مراد کسی شخص کی وہ مددگار برادری ہے جس سے وہ عام طور پر مدد طلب کرتا ہے' جس کی پشت پناہی اور نصرت و تعاون کے اعتماد پر وہ بہت سے ایسے کام کرتا ہے جو عام حالات میں وہ شاید نہ کر پاتا۔ رہا یہ سوال کہ اس مددگار برادری میں کون کون لوگ شامل ہوں گے تو اس کے تعین میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے' لیکن اس اختلاف کی بنیاد حالات زمانہ کے تقاضے تھے' اس پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

عاقلہ کس حد تک اور کن کن صورتوں میں دیت ادا کرے گی ان میں شبہ عمد کے علاوہ باقی تمام امور میں فقہاء کرام متفق اللفظ ہیں۔ جہاں تک قتل خطاء کا تعلق ہے تو اس میں کسی فقیہ کا اختلاف نہیں کہ اس صورت میں دیت کی ادائیگی عاقلہ کے ذمہ ہو گی۔ اس پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں عاقلہ دیت کی ادائیگی کی ذمہ دار نہ ہو گی۔

۱۔ قتل عمد کی صورت میں

۲۔ قتل کی ان تمام صورتوں (بشمول قتل خطا) میں جہاں فریقین کے درمیان کسی متعین رقم کی ادائیگی پر راضی نامہ ہو گیا ہو' چاہے یہ رقم دیت کی رقم سے کم ہو چاہے

زیادہ۔

۳۔ قتل کے ان مقدمات میں جہاں جرم کا ثبوت مجرم کے اپنے اقبال جرم کی نتیجہ میں پیدا ہوا ہو۔

قتل شبہ عمد کی صورت میں فقہاء کرام میں اختلاف ہے کہ آیا اس کی دیت عاقلہ ادا کرے گی یا ملزم خود ادا کرے گا۔ اس میں دو نقطہ ہائے نظر ہیں اور دونوں کی تائید میں اکابر فقہاء کی آراء موجود ہیں:

(الف)۔ امام عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ' قاضی ابن شرمہ' امام قتادہ بن و عامہ اور ابو ثور کی رائے ہے کہ شبہ عمد میں دیت مجرم خود ادا کرے گا جو اس کی جائداد سے وصول کی جائے گی۔ مصری مسودہ قانون قصاص و دیت کے مرتبین نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ یہ مسودہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے فاضل رفقاء کے اردو ترجمہ اور راقم الحروف کی ترتیب و تدوین کے ساتھ ۱۹۸۴ء میں اسلام آباد سے کتابی صورت میں اسی نام سے شائع ہو چکا ہے۔

(ب)۔ امام عامر شعبی' ابراہیم' نخعی' امام شافعی' سفیان ثوری' امام احمد بن حنبل' اسحاق بن را' ہو یہ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک شبہ عمد کی دیت مجرم کی عاقلہ ادا کرے گی۔

فقہائے کرام اس امر پر بھی متفق اللفظ ہیں کہ مجرم یا عاقلہ (جس پر بھی دیت واجب الاداء ہو) اگر دیت ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو پھر دیت بیت المال ادا کرے گا۔ عاقلہ سے دیت اس صورت میں وصول کی جائے گی جب اس کے ارکان معاشی طور پر اس قابل ہوں کہ دیت میں سے اپنے حصہ کی رقم بسہولت ادا کر سکیں' ورنہ بصورت دیگر ساری قوم ان کے ساتھ شریک ہو گی اور سرکاری خزانہ سے یہ دیت ادا کی جائے گی۔ اس ضمن میں علامہ ابن حزم کی یہ رائے معقول اور مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی شخص کی سرے سے کوئی عاقلہ ہی نہ ہو' یا وہ بہت غریب

لوگ ہوں، یا قاتل نامعلوم ہو اور اس کا پتا لگانے کی کوئی اور صورت ممکن نہ ہو تو زکو ۃ فنڈ سے اس کی دیت ادا کی جائے اور مصارف زکاۃ میں عازمین (مقروضوں) کی مد میں اس کو شمار کیا جائے۔

عاقلہ کی پشت پر جو بنیادی فلسفہ کام کر رہا ہے وہ تناصرو تراحم کا ہے۔ یعنی جس گروہ سے مجرم عام طور پر مدد اور نصرت کا متوقع ہوتا ہے اس گروہ کو دیت کی ادائیگی میں۔ بعض مخصوص صورتوں میں۔ شریک کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ مبارک میں عصبہ اور اہل قبیلہ کو عاقلہ قرار دے کر اس ذمہ داری میں شریک کیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہر حال میں عصبہ ہی عاقلہ شمار ہوں گے۔ بلکہ مطلب یہ تھا کہ چونکہ عصبہ ہی وہ اس گروہ میں تھے جن سے ایک شخص مدد اور نصرت کا خواستگار ہوتا تھا اس لئے اس وقت ان کو عاقلہ تصور کیا گیا۔ ورنہ اگر ہر زمانہ میں عصبہ ہی عاقلہ ہوتے تو اس سے قبل سنہ ۲ ہجری میں جب میثاق مدینہ مرتبہ ہوا تو پورے پورے قبائل کو عاقلہ قرار نہ دیا جاتا۔ میثاق مدینہ کی مختلف دفعات میں مہاجرین قریش، بنو عوف، بنو ساعدہ، بنو حارث، بنو نجار وغیرہ کو اپنی اپنی جگہ عاقلہ قرار دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ سارے مہاجرین ایک دوسرے کے عصبہ نہ تھے۔ بلکہ مہاجرین کے علاوہ دوسرے قبائل کے ذکر میں معاقلهم الاولی کے الفاظ کی تصریح ہے، یعنی یہ سب قبائل حسب سابق اپنے اپنے افراد کی عاقلہ متصور ہوں گے۔

حضرت عمر کے زمانہ میں جب قبائلی نظام منتشر ہوا اور باہمی مدد اور نصرت کی بنیاد قبیلہ واری تعلق نہ رہا تو آنجناب نے دیوان کو عاقلہ کی بنیاد قرار دیا۔ اب جن فقہاء کرام کا تعلق کوفہ اور بصرہ جیسے کسمو پولیٹن شہروں سے تھا (مثلاً امام ابو حنیفہ) انہوں نے دیوان کو عاقلہ قرار دیا۔ اور جن فقہا کا تعلق نسبۃ قبائلی ماحول سے تھا انہوں نے بدستور قبیلہ کو عاقلہ کی بنیاد مانا۔ اسی بناء پر فقہائے احناف کی رائے ہے کہ اگر باہمی نصرت اور مدد کی بنیاد کوئی پیشہ ورانہ اتحاد ہو تو پھر مجرم کے پیشہ ورانہ

ساتھیوں کو عاقلہ مانا جائے گا اور اگر کسی معاہدہ یا اتحاد کی وجہ سے باہمی نصرت ہو تو پھر اس اتحاد یا معاہدہ میں شریک لوگ عاقلہ سمجھے جائیں گے۔

لہٰذا اگر کبھی یہ محسوس کیا جائے کہ یہ باہمی تناصر و تراحم دیوان اور عصبہ یا قبیلہ دونوں کی بنیاد پر قائم ہے تو شرعاً کوئی چیز مانع نہیں کہ عاقلہ میں ان دونوں کو شامل کر لیا جائے۔ لہٰذا ہماری رائے میں آج کل عاقلہ میں مجرم کے اہل خاندان (یعنی وہ لوگ جو کسی بھی صورت میں اس کے وارث ہو سکتے ہیں) اور اس کے وہ سب اہل دیوان بھی شامل ہوں جن کے ہمراہ وہ اپنی روزی کماتا ہے اور جن سے وہ اپنے روزہ مرہ کے کاموں میں مدد اور تعاون کا خواستگار ہوتا ہے اور جب اس پر کوئی افتاد آن پڑتی ہے تو وہی اس کی مدد کرتے ہیں۔ اس نقطہ نظر کی تائید مالکی فقہاء کی اس رائے سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اگر اہل دیوان تعداد میں اتنے کم ہوں کہ وہ پوری دیت ادا نہ کر سکیں تو ان کے ساتھ عصبہ کو بھی شامل کر لیا جائے گا۔ مالکی فقہاء کی یہ رائے نہایت معقول اور قابل عمل معلوم ہوتی ہے کہ عاقلہ کے ارکان کی تعداد کم از کم سات سو ہونی چاہئے تاکہ یہ لوگ تین سال کے عرصہ میں بسہولت پوری دیت ادا کر سکیں۔ لہٰذا ہماری رائے میں عاقلہ کا تعین کرتے وقت سب سے پہلے مجرم کے قریبی رشتہ دار پھر اہل دیوان پھر ہم پیشہ انجمنوں کے ارکان اور آخر میں اہل محلّہ کو پیش نظر رکھا جائے تاآنکہ افراد عاقلہ کی سات سو کی تعداد پوری ہو جائے۔

جہاں تک اس خدشہ کا تعلق ہے کہ اس سے مقدمہ بازی میں اضافہ ہو جائے گا اور عاقلہ کے ارکان کا تعین دشوار ہو گا تو اس کا حل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جب عدالت سے دیت کی ادائیگی کا حکم دیا جائے تو فریقین کو ساتھ ہی اس امر کا پابند کر دیا جائے کہ وہ فیصلہ کی تاریخ سے دس روز کے اندر اندر مجرم کی عاقلہ کے کم از کم سات سوار کان کی ایک فہرست عدالت میں پیش کریں۔ جب دونوں فریق متفقہ طور پر یہ فہرست پیش کرنے کے پابند ہوں گے تو اس امر کا بہت کم امکان رہ جائے گا کہ کسی غیر

آدمی کا نام عاقلہ کی فہرست میں آ جائے۔ بالفرض اگر کسی ایک آدھ نام کا غلطی سے اندراج ہو بھی گیا تو وہ بجائے عدالت میں آنے کے خود فریقین کے پاس جائے اور ان کو مطمئن کرے کہ وہ عاقلہ میں شامل نہیں ہے۔ فریقین خود ہی اس کا نام خارج کر دیں گے۔ اس پر بھی اگر کسی کی تسلی نہ ہو تو پھر وہ عدالت میں درخواست دے کہ وہ عاقلہ میں شامل نہیں تھا اور اس سے غلط طور پر یہ رقم وصول کر لی گئی ہے۔ لیکن یہ انتظام اس صورت میں مفید ہو گا جب قانون میں ایک دفعہ اس مضمون کی بھی رکھی جائے کہ دیت کی ادائیگی سے ناجائز طور پر بچنے کی کوشش جرم متصور ہو گی اور اس کی سزا سرسری سماعت کے بعد وہی عدالت دے سکے گی جہاں اس کو ابتدائی طور پر عاقلہ کارکن قرار دیا گیا تھا۔ مناسب ہو گا کہ اگر کوئی شخص دیت کی ادائیگی سے بچنے کے لئے خود کو عاقلہ سے غلط طور پر خارج کرنے کی کوشش کرے تو اس دوگنی رقم وصول کی جائے۔

اس ضمن میں ایک اور اہم نکتہ جس کی طرف مصری مسودہ قانون قصاص و دیت کے مرتبین نے توجہ دی ہے وہ بیمہ کے ذریعہ دیت کی ادائیگی کا ہے۔ چونکہ عاقلہ کے ذریعہ دیت کی ادائیگی کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ جانی کا بوجھ ہلکا کیا جائے اس لئے کہ اس سے جو قتل سرزد ہوا ہے وہ بالارادہ نہیں ہوا اس لئے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے ساتھ نرمی کی جائے لہٰذا جہاں عاقلہ کے بجائے بیمہ کمپنی کے ذریعہ رقم کی ادائیگی ممکن ہے وہاں بیمہ ہی کے ذریعہ یہ ادائیگی ہونی چاہئے۔ اس کے لئے ہماری بیمہ کمپنیوں کو ایک نئی قسم کی بیمہ کاری جاری کرنی پڑے گی۔ ہاں اگر بیمہ کی رقم دیت کی رقم سے کم ہو تو پھر بقیہ رقم کی وصولی عاقلہ سے کرنی چاہئے۔

فقہائے کرام کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ عاقلہ پر اس کی استطاعت اور مالی حیثیت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے' اگر عاقلہ کے ارکان کو ذرا بھی تکلیف یا مشقت ہو تو پھر ان کو اس آزمائش میں نہ ڈالا جائے' اس لئے کہ عاقلہ کو بیجا تکلیف میں مبتلا

کرنا شریعت کا مقصود نہیں۔ اس لئے کہ عاقلہ پر دیت واجب کرنے کی حکمت یہی ہے کہ ملزم پر سے اس کا بوجھ ہلکا کیا جائے۔ اب یہ بات نہایت خلاف عقل و انصاف ہو گی کہ ملزم کا بوجھ ہلکا کرنے کی وجہ سے اس کی عاقلہ پر بوجھ زیادہ کر دیا جائے۔

امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ہر شخص پر واجب الادا رقم کا تعین عدالت کی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہئے کہ وہ ارکان عاقلہ کی مالی حیثیت کے پیش نظر ایسی مناسب رقم تجویز کر دے جو ہر شخص بلا کسی وقت کے بسہولت ادا کر سکے۔ امام شافعی کے نزدیک بھی اپنے حصہ کی رقم ادا کرنے والوں کی مالی حیثیت پیش نظر رہنی چاہئے۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں نسبۃً خوشحال افراد کے لئے نصف مثقال (دو ماشہ دو رتی) اور متوسط الحال اشخاص کے لئے چوتھائی مثقال (ایک ماشہ ایک رتی) سونے کی مقدار تجویز کی تھی۔ امام ابو حنیفہ نے اس سے بھی کم مقدار تجویز کی ان کی رائے میں کسی شخص سے تین چار درہم سے زیادہ وصول نہ کئے جائیں۔ اکثر فقہاء کے نزدیک دیت کی رقم تین سال کی مساوی قسطوں میں لینا بہتر ہے تاکہ ادا کرنے والے بسہولت ادا کر سکیں۔ دیت کی ادائیگی میں تخفیف اور نرمی کے عمومی رویہ کا ایک مظہر یہ امر بھی ہے کہ حسب ذیل لوگوں کو عاقلہ کا رکن تصور نہیں کیا گیا:

۱۔ تنگدست اور نادار افراد

۲۔ خواتین

۳۔ بچے۔

۴۔ کم عقل اور پاگل افراد۔

اگرچہ صفحات بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے عاقلہ کا اصول اور اس کی حکمت کافی حد تک واضح ہو چکی ہوگی تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان بنیادوں پر الگ سے گفتگو بھی کی جائے جن سے عاقلہ کے اصول کی عقلی توجیہ سامنے آ جائے گی۔

۱۔ اگر عاقلہ پر دیت کی ادائیگی واجب قرار نہ دی جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دولت مند دیت ادا کر کے بری ہو جایا کریں گے اور غریب اور نادار اشخاص دیت ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے جھیل جائیں گے۔ اس سے شریعت کے دو اہم اصول مجروح ہوں گے۔ ایک تو غریب شخص کو جو سزائے حبس ملے گی وہ عملاً اس کے کسی جرم کی نہ ہو گی بلکہ نتائج کے لحاظ سے اس کی غربت اور ناداری کی سزا ہو گی' دوسرے مقتول کے ورثاء کی تشفی جو اس سارے قانون کا ایک بہت اہم مقصد ہے نہ ہو سکے گی۔ ہمارا کم از کم گزشتہ سو سوا سو برس کا مشاہدہ ہے کہ سزائے قید وغیرہ سے مقتول کے ورثاء کی تشفی نہیں ہوتی اور قتل اور جوابی قتل کا لامتناہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اگر ایک بار مقتول کے ورثاء کی تشفی کر کے ان کے دل کی انتقامی آگ کو ٹھنڈا کر دیا جائے تو یہ سلسلہ بند ہو جائے گا۔

۲۔ دیت کی رقم چونکہ اچھی خاصی ہوتی ہے اس لئے ایک عام شخص عموماً اتنی مالی حیثیت نہیں رکھتا کہ اپنی جیب سے دیت کی خطیر رقم ادا کر سکے' اسلامی قانون جس معاشرے میں جاری و ساری ہو وہاں کے بارے میں یہی تصور کرنا چاہئے کہ ناحق انسانی جان کے ضائع ہونے کے اکثر واقعات قتل خطا کی قبیل سے ہوں گے۔ لہٰذا اگر قتل خطا میں بھی دیت کی ادائیگی کو مجرم ہی کی ذمہ داری قرار دے دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ بیشتر حالات میں دیت کی ادائیگی کی نوبت ہی نہ آ سکے۔ یہاں یہ شبہ پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ آخر قتل عمد میں بھی تو دیت صرف مجرم پر واجب الاداء ہوتی ہے۔ وہاں یہ خطرہ کیوں موجود نہیں کہ مجرم کی مالی حیثیت دیت کی ادائیگی کی اجازت نہ دے گی اور یوں دیت کی ادائیگی ممکن نہ ہو گی؟ اس لئے کہ قتل عمد میں اصل علاج تو قصاص ہے اور دیت کی حیثیت محض قصاص کے قائم مقام کی ہے۔ اب اگر مقتول کے ورثاء اپنے ارادہ اور مرضی سے قصاص چھوڑ کر دیت قبول کر رہے ہیں تو اول تو ان کو پہلے اس بات کا یقین کر لینا چاہئے کہ مجرم واقعی دیت دے سکتا ہے' دوسرے اگر وہ خود اس کی پروہ کئے بغیر کہ مجرم کے لئے دیت کی ادائیگی ممکن ہے یا نہیں قصاص سے

دستبردار ہو رہے ہیں تو یہ ان کے اپنے اختیار کی بات ہے' اگر وہ خود ہی دیت کی وصولی کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں تو آخر کون ان کو روک سکتا ہے۔

۳۔ عاقلہ کے ذمہ دیت کی ادائیگی (فقہائے کرام کی متفق علیہ رائے کے مطابق صرف خطا کے جرائم میں ہوتی ہے ان جرائم میں سے بیشتر کا تعلق عموماً غفلت اور لاپرواہی سے ہوتا ہے۔ غفلت اور لاپرواہی پیدا کرنے میں اکثر و بیشتر بلکہ قریب قریب سو فیصدی واقعات میں معاشرہ' خاندان اور برادری کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لاپرواہی سے تیز رفتار ڈرائیونگ کرنا' شکار کھیلنا' اسلحہ کا استعمال کرنا اور اس طرح کی دوسری حرکتیں انہی لوگوں سے سرزد ہوتی ہیں جن کو اپنی قوت اثر و نفوذ یا دولت اور تعلقات وغیرہ کا گھمنڈ ہوتا ہے۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایسا شخص بے احتیاطی اور لاپرواہی سے کسی کی جان لے لے یا کسی کے قتل کا کوئی سبب پیدا کر دے جو نہ تو دولت مند ہو' نہ بااثر ہو' نہ طاقتور ہو نہ برادری والا ہو اور نہ تعلقات والا ہو۔ لہٰذا انصاف اور معقولیت کا تقاضا ہے کہ جن اسباب کے بل پر اس میں بے احتیاطی اور لاپرواہی کے جراثیم پیدا ہوئے ہیں انہی کو دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ کیا یہ مشاہدہ نہیں کہ ہمارے بڑے بڑے شہروں میں تیز رفتاری اور لاپروائی سے ڈرائیونگ اور اس کے نتیجہ میں مہلک حادثات کے مرتکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو یا تو کسی بڑے بااثر باپ کے بیٹے ہوں' یا کسی اعلیٰ پولیس / فوجی افسر کے ملازم / شریک کار ہوں یا کسی ایسے بااثر اور طاقتور گروہ سے تعلق رکھتے ہوں جس کے بل پر ان کو یقین ہوتا ہے کہ کوئی ان کا کچھ بگاڑ سکے گا۔ ایسے لوگوں کا تنقیہ دماغ کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ نہ صرف ان کو بلکہ ان کے پشت پناہوں کو بھی اس ذمہ داری میں شریک کیا جائے۔

۴۔ شریعت اسلامی ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتی ہے جس میں ہر شخص ایک دوسرے سے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جڑا ہوا ہو' جس کے افراد کسی عمارت کی

اینٹوں کی طرح ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوں' جس کے افراد ایک ایسے جسم کی مانند ہوں کہ اگر ایک عضو بیمار ہو تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے۔ اب ایسی صورت میں کیا یہ امر اسلام کی اس روح سے متصادم نہ ہو گا کہ ایک شخص کسی غلطی سے یا نادانستہ طور پر کوئی حادثہ بیٹھا' اس پر دیت کے کئی لاکھ روپے واجب الاداء ہو گئے اور اس کے قریبی احباب' دوست اور مددگار اس خطیر رقم کی ادائیگی میں اس سے تعاون نہ کریں؟ اس طرح کے تعاون کے سلسلہ میں شریعت کا ایک عمومی انداز یہ ہے کہ عام حالات میں تو وہ معاملہ کو خود تعاون کرنے والوں کی صوابدید پر چھوڑ دیتی ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کس حد تک تعاون کرتے ہیں۔ لیکن بعض اہم اور خصوصی حالات میں ان ہدایات پر قانون کی ذریعہ عملدرآمد کرایا جاتا ہے۔ عاقلہ کے علاوہ تعاون واجب کی دوسری مثالوں کے ضمن میں نفقہ اقارب ہنگامی حالات کے عطیات واجبہ وغیرہ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ ہمارے موجودہ معاشرہ میں تواصی بالحق' تواصی بالصبر اور تناہی عن المنکر کے اسلامی تصورات و احکام سے غفلت کی کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ سڑک پر قتل ہوتا ہے اور گذرنے والے نظریں بچا کر گزر جاتے ہیں' غنڈے کسی کی بہو بیٹی کو تنگ کر رہے ہوتے ہیں اور "شرفاء" آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ حالانکہ اسلامی قانون کی رو سے یہ غفلت اور لاپرواہی خدا کے ہاں شدید گناہ ہونے کے علاوہ قانوناً جرم بھی ہے۔ اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود کسی مرنے والی کی جان نہ بچائے اور جان بوجھ کر اس فرض سے کوتاہی کرے تو بعض فقہاء کے نزدیک اس پر دیت کے علاوہ تعزیر بھی واجب ہو جاتی ہے۔ اور عدالت اس کوتاہی کی اس کو مناسب سزا دے سکتی ہے' جو حالات کے لحاظ سے سخت سے سخت پر بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر کسی معاشرہ میں عاقلہ کا نظام رائج ہو اور آج ایک شخص اپنے کسی بھائی' رفیق کار یا دوست کی طرف سے بطور رکن عاقلہ دیت کی ادائیگی میں حصہ دار بنتا ہے تو کل اس کو نہ صرف اخلاقی طور پر اس سے پوچھنے اور باز پرس کرنے کی جرات ہو گی کہ فلاں فلاں اشخاص سے اس کا

جھگڑا اور اختلاف کس نوعیت کا ہے' اس کے اسباب کیا ہیں اور ان کو کیوں دور نہیں کیا گیا' بلکہ کل اگر کہیں کوئی جھگڑا یا فساد ہو گا تو آج دیت ادا کرنے والا شخص یوں صرف نظر کر کے نہیں گزرے گا بلکہ حتی الامکان اس اختلاف کا سد باب کرنے اور وجہ نزاع کو ختم کرنے کی کوشش کرے گا'

۶۔ آج اگر عاقلہ کا نظام قائم کر دیا جائے اور لوگ اس کے مطابق ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کرنے لگیں تو اس سے معاشرہ میں تراحم تناصر اور اخوت کے جذبات کو فروغ ملے گا۔ ظاہر ہے کہ آج اگر ایک شخص کے ہاتھوں ایک ناحق خون غلطی سے غیر ارادی طور پر ہو گیا اور اس کی ساری مددگار برادری نے مل کر اس کی دیت ادا کر دی تو کل کسی اور کو یہ آزمائش پیش آئی تو وہ انشاء اللہ دل و جان سے اس میں پیش پیش ہو گا' اور شاذ و نادر ہی اس بات کا خطرہ ہو گا کہ کوئی شخص اس ذمہ داری سے بچنے اور جان چرانے کی کوشش کرے۔

۷۔ آج مغرب کے زیر اثر ہمارے معاشرہ میں حد سے بڑھی ہوئی انفرادیت پسندی اور اعزالیت کے رجحانات پیدا ہو گئے ہیں کسی شخص کو خبر نہیں کہ اس کے پڑوسیوں پر کیا گذر رہی ہے' کسی کو اس کی پرواہ نہیں کہ برابر والے فلیٹ سے گزشتہ شب گولیاں چلنے کی جو آوازیں آ رہی تھیں وہ کیوں آ رہی تھیں' کوئی اس کی فکر نہیں کرتا کہ اس کا وہ رفیق کار جو اس کی برابر والی میز پر سارا دن بیٹھ کر کام کرتا ہے۔ کن الجھنوں میں گرفتار ہے۔ یہ انعزالیت آج مغربی ممالک میں بدترین حدوں کو چھو رہی ہے اور اس کی دردناک مثالیں ہم روز اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں۔ عاقلہ کے نظام سے توقع ہو گی کہ یہ غلط رجحانات ختم ہوں اور صحیح اسلامی اجتماعیت پیدا ہو۔

۸۔ قتل خطاء میں دیت عاقلہ کے ذمہ اس لئے واجب کی جاتی ہے کہ جانی (زیادتی کرنے والے) کا بوجھ ہلکا کیا جا سکے' ظاہر ہے کہ یہ غلطی اس سے غیر ارادی طور پر سرزد ہو گئی ہے اور اس کے نتیجہ میں ایک بہت بڑا تاوان اس پر عائد ہو گیا ہے۔ اب

چونکہ یہ نقصان اس سے بالکل غیر ارادی طور پر سرزد ہوا ہے اس لئے اس پر ساری دیت کا بوجھ ڈال دینا شریعت کے تقاضائے عدل کے خلاف ہے۔ دوسری طرف اس کو بالکل فارغ اور بری الزمہ کر کے گھر بھیج دینا بھی اسلام کے اصول لایبطل دم فی الاسلام (اسلام میں کوئی خون رائیگاں نہ جا سکتا) سے ہم آہنگ نہیں۔ لہٰذا شریعت نے اس صورتحال سے عہدہ برا ہونے کے لئے اسلام کے اصول تکافل و تناصر سے کام لے کر عاقلہ کو اس ذمہ داری میں شریک کر دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر عاقلہ ہی کو ناقابل برداشت بوجھ تلے دبا دیا جائے تو یہ عاقلہ کے ساتھ زیادتی ہے' اس لئے عاقلہ سے اتنا ہی وصول کیا جائے جتنا وہ سہولت دے سکے۔

۹۔ آج اجتماعی انشورنس کی اسکیمیں ہر جگہ جاری ہیں اور ہر وہ شخص جو اس طرح کی کسی اسکیم کے ماتحت آتا ہے وہ اس کا چندہ ادا کرنے پر مجبور ہے۔ عاقلہ بھی اسی نوعیت کی ایک چیز ہو گی۔ آخر ان دونوں میں کیا جوہری فرق ہے کہ ایک بہت محبوب و مقبول اور دوسری بہت مردود و نامقبول قرار پا گئی ہے؟

بعض حضرات عاقلہ کے اسلامی اصول پر گفتگو کرتے وقت اس شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کے اصول لاتزر وازرۃ وزر اخری (کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ (گناہ) نہیں اٹھاتا) سے متصادم ہے۔ ہمارے فقہائے کرام نے اس شبہ کا بھی جواب دیا ہے۔افسوس کہ انہوں نے جس شبہ کو ایک مفروضہ سمجھ کر اس کا جواب دیا تھا وہ اب حقیقت بن چکا ہے اور فی الواقع مسلمانوں نے یہ شبہ وارد کر دیا ہے۔ علامہ زیلعی' امام ابو بکر الجصاص اور حافظ ابن قیم نے اس شبہ کی بڑی سختی سے تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ یہاں لاتزر وازرۃ وزر اخری کا قاعدہ سرے سے منطبق ہی نہیں ہوتا۔ ہم نہ تو عاقلہ کو اس زیادتی میں شریک تصور کر رہے ہیں جو اس شخص سے سرزد ہو گئی ہے۔ اور نہ یہ مان رہے ہیں کہ اخروی باز پرس میں عاقلہ بھی شریک ہو گی یہاں تو محض اک شخص پر یکایک عائد ہو جانے والے ایک بوجھ کی

تخفیف کا حکم ہے۔ بالکل اس طرح جیسے دولت مندوں کے مال میں فقراء کا حق ہے جو ان کو لازماً ادا کرنا ہے، جس طرح ایک دولت مند شخص کو غریب رشتہ داروں کی صلہ رحمی کا حکم ہے یا ہر فرد کو اپنے والدین کی خدمت کا حکم ہے اس طرح عاقلہ کو بھی یہ حکم ہے کہ فلاں فلاں نوعیت کے معاملات میں اپنے بھائی کی مدد کرو۔ ظاہر ہے کہ اس حکم سے شریعت کا وہ اصول (لاتزر وازرة وزر اخری) کسی طرح بھی مجروح نہیں ہوتا۔

عاقلہ کے مذکورہ بالا تصور کو واضح علمی انداز میں پیش کرنے کی غرض سے ہم مصر کے نامور فقیہ اور قانون دان ڈاکٹر عوض محمد عوض کا یہ فاضلانہ مطالعہ شائع کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اصلاً یہ مقالہ عربی میں تحریر کیا تھا اور آج سے کئی سال قبل ادارہ تحقیقات اسلامی کے عربی مجلّہ الدراسات الاسلامیہ میں شائع ہوا تھا۔

ہم ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہماری درخواست پر اس اہم علمی مقالہ کا رواں اردو میں ترجمہ کیا۔ ہمیں امید ہے کہ اکیڈمی کی یہ نئی اشاعت عاقلہ کے تصور کو واضح کرنے اور اس کے بارہ میں غلط فہمیوں کو دور کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو گی۔

۲۰۔ دسمبر ۱۹۹۳ء

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل
شریعہ اکیڈمی

عاقلہ کا تصور اسلامی فقہ میں

ڈاکٹر عوض محمد عوض

ترجمہ

ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی

شریعہ اکیڈمی۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی

اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عاقلہ کا تصور اسلامی فقہ میں

ا۔ تمہید : کسی انسان کو قتل کرنے یا زخم پہنچانے کے جرم میں دیت کا حکم اور عاقلہ کی جانب سے اس کی ادائیگی کا تصور عرب میں ظہور اسلام سے قبل بھی موجود تھا۔ دیت کا یہ نظام اولاً اسلام نے رائج نہیں کیا بلکہ عرب میں یہ پہلے سے موجود تھا جسے اسلام نے برقرار رکھا۔ عرب کے لوگ دیت کے رواج اور مجرم کے قبیلے کی جانب سے اس کی ادائیگی کے تصور سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ اسلام نے جس طرح عربوں کے اور بہت سے اچھے رواجوں کو برقرار رکھا' اسی طرح دیت کے نظام کو بھی قائم رکھا۔ لیکن اس سے' بحیثیت ایک مکمل نظام زندگی' اسلام کی عظمت اور سچائی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسلام اس لئے نہیں آیا کہ لوگوں کے پہلے سے مروج تمام طور طریقوں کو بالکل ختم کر دے اور ان کی بجائے نئے اصولوں کو رواج دے' یا نئے قوانین اور احکام کا نفاذ عمل میں لائے' خواہ وہ عوام کے مزاج اور معاشرتی حالات سے کوئی مطابقت نہ رکھتے ہوں۔ اسلام لوگوں کے معاملات کا جائزہ اس نقطہ نظر سے لیتا ہے کہ ان میں کون سی چیز صحیح اور مفید ہے اور کون سی غلط اور نقصان دہ۔ چنانچہ جو چیز مفید ہو اسلام اسے پسند کرتا اور برقرار رکھتا ہے اور جو چیز نقصان دہ ہو اسے رد کرتا اور حرام ٹھہراتا ہے۔ اسی طرح جو چیز اصلاح طلب ہو یا

اس میں ترمیم کی ضرورت ہو' اسلام اس کی اصلاح کرتا اور اس میں ضروری ترمیم کے بعد اسے بہتر صورت میں پیش کرتا ہے۔(۱) یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دور جاہلیت کے ایسے تمام رواجوں اور رسموں کو برقرار رکھا جو اخلاقی اصولوں کے مطابق صحیح اور اہل عرب کے نزدیک پسندیدہ خیال کی جاتی تھیں۔ دور جاہلیت کے یہ وہ محاسن اور اچھے اخلاق تھے جنہیں عقل سلیم صحیح تسلیم کرتی ہے۔ قبل از اسلام کے ایسے رسوم اور رواجوں کی تعداد بہت زیادہ ہے' جنہیں اسلام نے پسندیدہ ٹھہرایا اور باقی رکھا(۲) دیت اور عاقلہ کا نظام بھی انہی رواجوں میں سے ایک اچھا رواج ہے۔

عاقلہ سے مراد لوگوں کی وہ جماعت ہے جو مجرم سے ایسا خاص تعلق رکھتی ہو جس کی بناء پر وہ مجرم کے فعل کے نتیجے میں عائد ہونے والی اس دیت کا بار اٹھا سکے جس کے مستحق از روئے قانون مقتول یا مجروح یا اس کے ورثاء قرار پاتے ہیں۔

جہاں تک دیت کے قانون کا تعلق ہے' اس کا بیان قرآن مجید میں موجود ہے لیکن اس سلسلے میں تفصیلی احکام کے لئے ہمیں سنت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اگرچہ عاقلہ کی نسبت قرآن مجید میں کوئی نص صریح موجود نہیں' لیکن احادیث میں ایسی متعدد قابل اعتماد روایات موجود ہیں جن سے عاقلہ کے تصور اور احکامات کی وضاحت ہوتی ہے۔ چنانچہ فقہائے کرام نے انہی احادیث اور اسلام کے عام اصول اور بنیادی تصورات کے پیش نظر عاقلہ کے نظریے کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ فقہاء کے ہاں عاقلہ کے اصل تصور اور اس کی اساس کے بارے میں جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں ان میں کہیں کہیں اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے۔

عاقلہ کا لفظ عربی زبان میں عقل سے بنا ہے جس کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں۔ اس لئے انسان کی وہ ذہنی قوت جو اسے بری باتوں سے روکتی ہے' عقل کہلاتی ہے۔ اگر کسی شخص کو حرکت کرنے اور گھومنے پھرنے سے روک دیا جائے تو

اس عمل کو اعتقال کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ایسی عمارت کو جو مضبوط و مستحکم ہو' معقل کہتے ہیں۔ عاقلہ کے فقہی اصطلاحی مفہوم میں بھی اسی لغوی معنی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ فقہاء کے ہاں دیت کے لئے عقل کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے۔ کیونکہ دیت کی ادائیگی کے بعد مقتول کے ولی کی زبان بند ہو جاتی ہے' اور وہ انتقاماً مزید خون بہانے سے باز آجاتا ہے۔ دیت کو عقل کہنے کی ایک اور وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دیت کے اونٹ' ولی مقتول کے گھر کے سامنے لا کر باندھ دیے جاتے تھے۔ اسی طرح بار دیت برداشت کرنے کو بھی عقل کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کسی شخص کے جرم کی دیت کا تاوان برداشت کرنے والے لوگ اس شخص کی عاقلہ کہلاتے ہیں۔ زیر نظر مقالے میں عقل سے ہماری مراد یہی مفہوم ہے۔

مسلمان فقہاء کی غالب اکثریت عاقلہ کی قائل ہے' تاہم بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو اس تصور سے اتفاق نہیں رکھتے۔ بہرحال جو فقہاء عاقلہ کے قائل ہیں ان کے درمیان اس کی نوعیت' اساس اور احکام کی نسبت کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم اولاً عاقلہ کے اصول اور اس کی تفصیلات کے بارے میں مختلف فقہی نقطہ ہائے نظر کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ پھر آخر میں ہم اس تغیر کا جائزہ لیں گے جو عاقلہ کے نظام میں واقع ہو چکا ہے۔ اسی طرح جدید دور کے حالات اور عصر نو کے معاشرتی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اسلامی قانون کی روشنی میں اس امر پر بھی بحث کریں گے کہ جدید خطوط پر عاقلہ کے تصور کی تنظیم نو کیسے کی جانی چاہئے۔

۲۔ عاقلہ کا اصول اور اس سے متعلق فقہی اختلاف رائے

علماء کے نزدیک عاقلہ کا تصور ضروریات دین میں سے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ اکثر فقہی مسالک اس کی شرعی حیثیت پر متفق ہیں لیکن بعض لوگوں نے اسے رد بھی کیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں عثمان البتی کا یہ قول روایت کیا جاتا ہے کہ:

"میں نہیں جانتا' عاقلہ کیا ہے؟"(۳) اسی طرح ابو بکر اصم' ابن علیہ' اور اکثر خوارج کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عاقلہ کے تصور کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔(۴) ایسے علماء کی رائے ہے کہ قتل خطا کی دیت قاتل کے مال میں سے وصول کی جائے گی۔ اور عاقلہ اس کی ذمہ دار نہیں ہو گی۔ اس سلسلے میں ان علماء کی دلیل یہ ہے کہ عاقلہ کو دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دینا شریعت کے اس ثابت شدہ اصول کے خلاف ہے کہ ذمہ داری ہمیشہ شخصی ہوتی ہے۔ شخصی ذمہ داری کا یہ اصول قرآن و سنت کی صحیح نصوص سے ثابت ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولا تزر وازرۃ وزر اخری" (الانعام:۱۶۴)

"کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"

اسی طرح حدیث میں ہے کہ ابو رمثہ اپنے بیٹے کو لے کر آنحضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: "نہ تمہارا بیٹا تمہارے جرم میں ماخوذ ہو' نہ تم اپنے بیٹے کے جرم میں ماخوذ ہو۔"

ایسے فقہاء جو عاقلہ کو تسلیم نہیں کرتے' انہوں نے قیاس سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ کسی شے کو تلف کر دینے کا تاوان تلف کرنے والے ہی پر عائد ہو گا نہ کہ کسی دوسرے پر۔ لہٰذا جو اصول مال کے تاوان کا ہے وہی اصول جان کے تاوان میں بھی جاری ہونا چاہئے' اس لئے کہ جان کا اتلاف مال کے تلف کر دینے سے کہیں زیادہ اہم ہے۔(۵) بہرحال عاقلہ کے تصور کو رد کرنے والے فقہاء کی تعداد اس کے ماننے والے فقہاء کی نسبت اس قدر کم ہے کہ ان کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ اس کے برعکس تمام فقہی مسالک اس امر پر متفق ہیں کہ دیت کی ادائیگی عاقلہ کی ذمہ داری ہے۔ ان حضرات کے اس اجماعی فیصلے کی بنیاد بعض عقلی اور نقلی دلائل پر ہے جن کی وضاحت ہم آئندہ سطور میں کریں گے۔

۳۔ عاقلہ کے تصور کی شرعی دلیل

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطأً و من قتل مومنا خطأً فتحریر رقبة مومنة و دیة مسلمة الی اھله الا ان یصدقوا" (النساء:۹۲)

ترجمہ:"کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے' اِلاّ یہ کہ اس سے چوک ہو جائے۔ اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔ اِلاّ یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں۔"

اس آیت میں دیت کا بیان ہوا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ دیت کی ادائیگی کن لوگوں کی ذمہ داری ہو گی۔ اس کی وضاحت ہمیں سنت میں ملتی ہے۔(٦) چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خاندان کے لئے حکم تحریر فرمایا کہ اس پر بطور عاقلہ دیت کی ادائیگی لازم ہو گی۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) روایت فرماتے ہیں کہ دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ایک نے دوسری کو' جو حاملہ تھی' پتھر یا خیمے کی لکڑی پھینک کر ماری جس سے وہ مر گئی اور اس کے پیٹ میں جو بچہ تھا وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مقتولہ کی دیت اور پیٹ کے بچے کا تاوان قاتلہ کی عاقلہ سے وصول کیا جائے۔ یہ حکم سن کر قاتلہ کے ایک قریبی رشتہ دار نے کہا: "کیا ہم ایسے بچے کا تاوان ادا کریں جو نہ رویا' نہ بات کی' نہ کھایا نہ پیا' ایسا خون تو رائیگاں جانا چاہئے۔" حضورؐ نے جواب دیا:"یہ کیا بدوؤں کی سی تک بندی ہے؟" یہ کہہ کر آپؐ نے بچے کی دیت بھی ان پر

عائد کر دی۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ نے عاقلہ کی شرعی حیثیت کو تسلیم کیا اور یہ اس کے ثبوت کی نقلی دلیل ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اعتراض کرنے والے شخص کو اس امر پر کوئی تعجب نہیں ہوا کہ مقتولہ کی دیت قاتلہ پر عائد کی گئی بلکہ اسے اعتراض صرف جنین کی دیت پر تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ عاقلہ پر دیت عائد کرنے کے اصول سے آشنا تھے۔ البتہ وہ (اہل عرب یا کم از کم اس قبیلے کے لوگ) یہ نہیں جانتے تھے کہ پیٹ میں موجود بچے (جنین) کی دیت بھی ادا کرنا ضروری ہے۔

عاقلہ کے بارے میں فقہاء کی عقلی دلیل یہ ہے کہ از روئے شریعت ایسے جرم پر کوئی گرفت نہیں جو غلطی سے سرزد ہوا ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو غلطی سے قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ قاتل کے اس عذر خطاء کے باجود یہ بات مناسب نہیں کہ مقتول کا خون بالکل رائیگاں جانے دیا جائے۔ چنانچہ شریعت نے ان دونوں امور میں تطبیق اس طرح پیدا کی ہے کہ عذر کے پیش نظر مجرم سے قصاص ساقط کر دیا اور جان کی حفاظت کے لئے دیت واجب کر دی۔

اصولاً یہاں دیت قاتل پر عائد ہونی چاہئے تھی اور اسی کے مال سے اس کی ادائیگی ضروری تھی مگر چونکہ قاتل سے جرم غلطی سے سرزد ہوا اور بار دیت اس کی استطاعت سے زیادہ تھا' اور پھر اس امر کی بھی ضمانت نہ تھی کہ دوبارہ ایسی غلطی سرزد نہ ہوگی' لہذا قاتل کی دلجوئی اور ہمدردی کے نقطہ نظر سے یہ امر قرین مصلحت محسوس ہوا کہ اس کے اوپر سے دیت کا بوجھ کم کر دیا جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ دیت میں اس کا سارا مال چلا جائے اور وہ مفلس ہو کر رہ جائے۔(۷)

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:"اگر قاتل کو پوری دیت کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے تو

اس کے نتیجے میں اس پر زیادہ بوجھ پڑ جائے گا اور اس امر کا بھی امکان ہے کہ دیت کی ادائیگی میں اس کا سارا مال ہاتھ سے نکل جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت اس کے لئے سزا کے مترادف ہو گی' حالانکہ عذر خطاء کے باعث اس سے سزا ساقط ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے دیت کی ادائیگی میں مجرم کے ساتھ عاقلہ کو بھی شامل کر دیا۔ تاکہ اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اسے سزا دی جا رہی ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عملی زندگی میں ایسی صورت حال کسی اور کو بھی پیش آسکتی ہے اور وہ دوسروں کی مدد کا محتاج ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اس وقت مبتلائے مصیبت ہے تو اس کی مدد کی جائے اور اس طرح لوگوں کے درمیان باہمی امداد و تعاون کا یہ اصول ہمیشہ جاری و ساری رہے۔ جو امت اللہ کے لئے شہادت دینے والی بنا کر باہمی نصرت و تعاون اور نیکی و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کی اساس پر برپا کی گئی ہے اس کے لئے اس اصول کی پاسداری زیادہ ضروری ہے۔(۸)

۴۔ عاقلہ کا تصور اور شخصی جواب دہی کا اصول

اگرچہ فقہائے کرام کی غالب اکثریت' جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا' یہ سمجھتی ہے کہ عاقلہ کا تصور اسلامی شریعت کے اہم اصولوں میں سے ہے' مگر اس بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے کہ عاقلہ کا یہ تصور شخصی ذمہ داری کے اسلامی اصولوں سے' جو اسلامی شریعت کے بنیادی تصورات میں سے ہے' اور جس پر اسلامی شریعت کی بنیاد قائم ہے' کس حد تک ہم آہنگ یا مختلف و متضاد ہے۔ چنانچہ بعض فقہاء یہ سمجھتے ہیں کہ ان دونوں میں تعارض پایا جاتا ہے اور یہ کہ عاقلہ کو دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دینا ارشاد باری تعالیٰ: "ولا تزر وازرہ وزر اخری" کے ظاہر کے خلاف ہے اور جہاں تک ان قطعی احادیث کا تعلق ہے جو عاقلہ کو ذمہ دار قرار دینے سے تعلق رکھتی ہیں' تو وہ آیت مذکورہ بالا کے عموم کی تخصیص کرتی ہیں' کیونکہ عوام

کی مصلحت کا تقاضا یہی ہے۔ یہ رائے ابن رشد (۹) ابن قدامہ(۱۰) ابن حزم(۱۱) اور شوکانی وغیرہ(۱۲) کی ہے۔

ان کے علاوہ دیگر فقہاء کی رائے ہے کہ اگرچہ مجرم کے بجائے عاقلہ پر دیت عائد کرنا بظاہر اس اصول کے خلاف ہے جس کے تحت تاوان اور ضائع شدہ چیزوں کے ضمان کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قاتل کی ذمہ داری اس کی عاقلہ پر ڈال دی گئی ہے اور اسے مجرم کے جرم کا جواب دہ بنا دیا گیا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ (قتل خطاء کے جرم میں) دیت اصولاً قاتل ہی پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن پھر قاتل کی دلجوئی اور اس کے ساتھ ہمدردی کے طور پر عاقلہ کو اس کا ذمہ دار بنا دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ النساء کا خطاب بھی قاتل سے ہے نہ کہ عاقلہ سے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دیت قاتل ہی پر واجب ہے نہ کہ عاقلہ پر' کیونکہ دیت واجب ہونے کا اصل سبب قتل ہے جو قاتل سے سرزد ہوا ہے۔ اس لئے دیت بھی اسی پر عائد ہوگی نہ کہ عاقلہ پر۔ البتہ عاقلہ نے قاتل کی دلجوئی اور تخفیف کی خاطر اس کا بوجھ خود اٹھا لیا ہے۔(۱۳)

بعض فقہاء ذرا آگے جا کر یہ کہتے ہیں کہ عاقلہ پر دیت کا بوجھ اس لئے عائد کیا گیا ہے کہ اس نے قاتل کی حفاظت اور نگرانی میں کوتاہی کی ہے لہذا بطور تنبیہہ اسے مال کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے کم عقل لوگوں پر نظر رکھے اور ان کی اس طرح نگرانی کرے کہ وہ ایسی غلطیوں سے بچے رہیں۔(۱۴)

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: "یہ کہنا صحیح نہیں کہ عاقلہ پر کسی جرم کے بغیر دیت کی ذمہ داری عائد کر دی گئی ہے' کیونکہ قاتل کی نگرانی کرنا اور اسے ارتکاب جرم سے باز رکھنا اس کی ذمہ داری تھی۔ ظاہر ہے کہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں کوتاہی برتنا قابل مواخذہ غفلت ہے۔ مزید برآں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قتل جیسے

گھناؤنے جرم کا ارتکاب انسان عموماً اپنے خاندان اور برادری کی نصرت و حمایت کے بل پر کرتا ہے' اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خاندان کے افراد بھی ایک حد تک مجرم کے جرم میں شریک ہو جاتے ہیں۔"(۱۵)

کاسانی کی یہ رائے محل نظر ہے' کیونکہ یہ رائے انہی فقہاء کی ہے جو کہتے ہیں کہ عاقلہ پر دیت اس لئے عائد کی گئی تاکہ قاتل کی دلجوئی اور اس پر جو مالی بوجھ پڑ گیا ہے اسے کم کیا جاسکے۔ اب ان دو باتوں میں تطبیق کی صورت کیا ہو گی یعنی ایک تو یہ کہ عاقلہ پر دیت قاتل کی دلجوئی اور اس کا مالی بوجھ کم کرنے کے لئے عائد کی گئی ہے اور دوسری یہ کہ عاقلہ قاتل پر نظر رکھنے اور اسے ارتکاب جرم سے باز رکھنے میں ناکام رہی ہے۔ اگر اس دلیل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ عاقلہ پر دیت اس لئے واجب کی گئی کہ اس نے اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں کوتاہی برتی تو اس صورت میں عاقلہ پر دیت قتل خطاء کی نہیں بلکہ قتل عمد کی واجب ہونی چاہیے۔ بلکہ بلالحاظ اس امر کے کہ نقصان جان کا ہوا ہے یا مال کا ایسی تمام چیزوں کا تاوان عاقلہ پر عائد ہونا چاہیے جو کسی شخص کے ہاتھوں ضائع ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی کے نزدیک بھی قابل تسلیم نہیں۔ ص ۱

عاقلہ میں کون کون لوگ شامل ہیں

اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں کسی فرد کا قبیلہ اس کی عاقلہ متصور ہوتا تھا۔ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طریقے کو برقرار رکھا۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں دیوان مرتب فرمائے تو آپ نے اہل دیوان کو عاقلہ قرار دیا۔ چنانچہ فقہاء نے اس سلسلے میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے ان لوگوں کی تفصیل بیان کی ہے جو عاقلہ میں شامل ہیں۔ تاہم ان کے ہاں اس مسئلے کے بعض پہلوؤں کی نسبت اتفاق رائے ہے اور بعض کے بارے میں وہ ایک دوسرے

فاضل مصنف کا یہ اعتراض کمزور ہے۔ یہ دونوں اسباب بیک وقت بھی پیش نظر رکھے جا سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مقدمہ مرتب۔

سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ لیکن اس امر پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ مجرم کے عصبہ (باپ کی جانب سے اس کے قریبی رشتہ دار) اس کی عاقلہ ہیں۔ البتہ اس بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہے کہ اہل دیوان مجرم کی عاقلہ ہیں یا نہیں۔ اسی طرح اس امر کی نسبت بھی فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ جس شخص کی کوئی عاقلہ نہ ہو' اس کی دیت کون ادا کرے گا؟

اس سلسلے میں حنفی فقہاء کی رائے ہے کہ اگر مجرم اہل دیوان میں سے ہو تو اس کی عاقلہ اہل دیوان ہوں گے اور وہ ان میں سے نہ ہو تو اس کا قبیلہ اس کی عاقلہ قرار پائے گا یعنی اس کے نسبی رشتہ دار دیت کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور اگر وہ آزاد کردہ غلام یا مولی الموالاۃ ہو تو ظاہر الروایہ کے مطابق اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک قول یہ بھی ہے کہ دیت مجرم کے مال سے ادا کی جائے گی نہ کہ بیت المال سے۔(۲)

مالکیہ کے نزدیک مجرم کی عاقلہ اس کا قبیلہ یعنی اس کے نسبی عصبات (باپ کی جانب سے مرد رشتہ دار) ہیں۔ اس کے بعد اس کے موالی ہیں۔ پھر اگر وہ مسلمان ہے تو بیت المال اس کی عاقلہ ہے' یعنی بیت المال سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔

مالکی مسلک میں حضرت امام مالکؒ کا ایک قول اور بھی مروی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مجرم اہل دیوان میں سے ہو اور اس کا وظیفہ بھی تاحال جاری ہو تو اہل دیوان اس کی عاقلہ ہوں گے۔ اور اگر وہ اہل دیوان میں سے نہ ہو' یا اس کا وظیفہ بند ہو چکا ہو تو اس کا قبیلہ اس کی دیت ادا کرے گا۔ اس کے بعد اس کے موالی (غلام) اور پھر بیت المال کا ادارہ دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار ہو گا بشرطیکہ مجرم مسلمان ہو۔ مالکی مسلک کا ایک اور قول جو احناف کی رائے سے مطابقت رکھتا ہے' ان کی اصل کتب میں مذکور ہے۔ اگرچہ شارحین کتب نے بھی اسے نقل کیا ہے لیکن

محققین اسے تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ مسلک مالکی کی رائے نہیں۔ ان فقہاء کے نزدیک مالکی مسلک کی صحیح رائے وہی ہے جو "المدونہ" میں مذکور ہے' اور جو ہم نے پہلے بیان کی۔(۱۷)

فقہائے شافعیہ کے نزدیک مجرم کی عاقلہ اس کے وہ عصبات ہیں جو نسب یا ولاء (دوستی) کے تعلق سے اس کے وارث بنے ہوں۔ اگر مجرم کے عصبات نہ ہوں تو اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ اور اس صورت میں' جبکہ مجرم کے نہ عصبات ہوں نہ بیت المال' فقہائے شافعیہ کے دو اقوال ہیں: ایک قول کے مطابق مجرم کی دیت اس کے مال سے ادا کی جائے گی اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس پر دیت عائد ہی نہیں ہو گی۔(۱۸)

اس معاملے میں حنابلہ کی رائے بھی شافعی مسلک کے قریب ہے۔ یعنی وہ لوگ جو نسب یا ولاء (دوستی) کے تعلق سے مجرم کے عصبات ہوں وہ اس کی عاقلہ قرار پائیں گے۔ اگر مجرم کا کوئی عصبہ (پدری رشتہ دار) یا ولی نہ ہو تو حنبلی مسلک میں دو رائیں ہیں: ایک یہ کہ بیت المال اس کی دیت ادا کرے گا۔ اور دوسری یہ کہ دیت مجرم کے مال سے ادا کی جائے گی۔(۱۹)

ظاہری مسلک کے مطابق مجرم کی عاقلہ اس کے عصبات ہیں۔ لیکن ان کے نزدیک عصبہ (رشتہ دار) کوئی مطلق اصطلاح نہیں بلکہ اس سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو نسب کے تعلق سے پہلے بطن میں شامل ہوں۔ بعد ازاں دوسرا بطن آتا ہے' اور بطن سے مراد چوتھے دادا کی اولاد ہے۔

اگر مجرم کے عصبہ کا علم نہ ہو یا ان کے مختلف ممالک میں چلے جانے کی وجہ سے ان کا تعین دشوار ہو تو دیت بیت المال کے اس حصے میں سے ادا کی جائے گی جو غارمین (قرض داروں کا بوجھ اتارنے) کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔(۲۰)

امام شوکانی کے نزدیک مجرم کی عاقلہ اس کے عشیرہ ہیں' یعنی وہ لوگ جو اس کے دوسرے دادا کی اولاد ہوں۔ اور اگر وہ لوگ دیت کی ادائیگی کے لئے ناکافی ہوں تو قریب ترین نسبی عصبہ کو اس میں شامل کیا جائے گا۔ پھر سببی رشتہ دار اس میں آئیں گے۔ اور اس کے بعد دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔(۲۱)

دیوان کا مفہوم اور اسے عاقلہ قرار دینے میں فقہاء کا اختلاف

اہل دیوان کو عاقلہ قرار دینے کی اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسے عاقلہ قرار دیا۔ انہوں نے ہر علاقے کے لوگوں کا ایک رجسٹر تیار کروایا اور ان کی یہ ذمہ داری قرار دی کہ وہ' ضرورت پڑنے پر' اپنے علاقے سے متصل دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ دیوان اس رجسٹر کو کہا جاتا ہے جس میں اہل لشکر کے نام' ان کی تعداد اور وظائف درج ہوں۔ دیوان میں مذکور اہل لشکر چونکہ آپس میں ایک دوسرے سے تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے لہٰذا ان کے باہمی تعلق کو نسبی تعلق کی طرح مضبوط اور دیرپا تسلیم کر لیا گیا۔(۲۲) چنانچہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک اہل دیوان پر مشتمل عاقلہ اپنی اہمیت اور مرتبے میں نسبی عاقلہ پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس لئے اگر مجرم اہل دیوان میں سے ہو تو اس کے قبیلے پر دیت کا بوجھ عائد نہیں ہو گا۔ مسلک مالکی میں' جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا' حضرت امام مالکؒ سے مروی ایک ضعیف روایت اس بارے میں احناف کے نقطہ نظر سے موافقت رکھتی ہے۔ لیکن دیگر مسالک کے فقہاء اہل دیوان کو عاقلہ تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی رائے میں عاقلہ کا دائرہ صرف عصبات تک محدود ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک یہی ہے۔ حضرت امام مالکؒ سے مروی ایک قوی روایت کے مطابق ان کی رائے بھی یہی ہے اور اہل ظاہر بھی اس معاملے میں یہی نقطہ نظر رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اس سلسلے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے جو فیصلہ فرمایا اس کے مطابق مجرم کی دیت اس کے اہل قبیلہ پر عائد کی گئی اور جو حکم آپ نے صادر فرمایا' بعد میں آنے والا کوئی دوسرا شخص اسے منسوخ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضورؐ کا یہ فیصلہ حضرت عمرؓ کے فیصلے سے یقیناً افضل و ارفع ہے۔ ان فقہاء کی رائے میں اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے کہ حضرت عمرؓ نے اہل دیوان کو مجرم کی عاقلہ قرار دیا (۲۳) تب بھی یہ ممکن ہے کہ مذکور اہل دیوان مجرم کے اہل خاندان بھی ہوں اور اسی وجہ سے انہیں عاقلہ قرار دیا گیا ہو۔ اس رائے کے خلاف ایک دلیل یہ بھی دی گئی ہے کہ اہل دیوان صرف دیوان کے اتحاد کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے' جیسے پڑوسی کہ صرف پڑوس کی بنیاد پر کسی کو ایک دوسرے کا وارث قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا اہل دیوان پر دیت کی ذمہ داری عائد نہیں کی جا سکتی۔ دراصل عاقلہ پر دیت بطور صلہ (عطیہ) عائد ہوتی ہے اور مالی صلہ کا استحقاق دیوان سے نہیں بلکہ نفقہ اور میراث کی طرح قرابت سے پیدا ہوتا ہے۔(۲۴)

فقہائے حنفیہ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل دیوان کو عاقلہ صحابہ کرام کی موجودگی میں قرار دیا تھا اور ان میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا' اس لئے حضرت عمرؓ کے اس فعل کو اجماع کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اور یہ امر قطعاً" ناقابل تصور ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے خلاف اجماع کر لیا ہو۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ اجماع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق تھا' کیونکہ انہوں نے اس حقیقت کو جان لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عشیرہ (قریبی رشتہ داروں) پر دیت اس لئے عائد کی تھی کہ ایسے معاملات میں نصرت و تعاون کی امید انہی سے رکھی جا سکتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس قوت نصرت و تعاون کی اساس قبیلہ اور عشیرہ تھا۔ جب

حضرت عمرؓ کے زمانے میں دیوان مرتب ہو گئے تو وقت اور نصرت و تعاون کی بنیاد اہل دیوان بن گئے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت لوگ دیوان ہی کی اساس پر اپنے قبیلے کا دفاع کرتے تھے۔ جیسے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ صفین میں ہر قبیلے کے بمقابل اسی قبیلے کے لوگوں کی صفیں بنائیں تاکہ وہ خود ہی اپنے ہم قبیلہ افراد سے مقابلہ کریں۔ اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے اہل دیوان پر دیت عائد کرنے کا فیصلہ کیا۔(۲۵) باقی رہا یہ خیال کہ قریبی رشتہ دار بہرحال اہل دیوان پر فوقیت رکھتے ہیں تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اہل دیوان پر جو دیت عائد ہوتی ہے وہ ان کے اس مال سے وصول کی جاتی ہے جو انہیں بیت المال سے بطور وظیفہ ملتا ہے یعنی چونکہ بیت المال سے ملنے والا وظیفہ ایک صلہ (عطیہ۔امداد) ہے۔ لہذا اس پر دیت عائد کرنا جو خود بھی ایک طرح کا صلہ (عطیہ ۔ امداد) ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ رشتہ داروں کے اپنے مال پر عائد کی جائے۔(۲۶)

حنفی فقہاء اور ایک حد تک مسلک مالکی کے فقہاء نے صرف اہل دیوان کی وضاحت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس نظریے کی مزید تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ ان فقہاء کے نزدیک اصول یہ ہے کہ اہل دیوان مجرم کی جانب سے دیت کا بار صرف اس وقت اٹھائیں گے جب مجرم خود بھی انہیں میں سے ہو۔ اور اگر وہ ان میں سے نہیں ہے تو اہل دیوان پر اس کی دیت ادا کرنا لازم نہ ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعاقل یعنی باہم ایک دوسرے کی دیت ادا کرنے کا اصول صرف ایک دیوان سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان جاری ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے ایک ایسا عام ضابطہ (General Rule) بھی مرتب کرنے کی کوشش کی ہے جس کی بناء پر کسی دیوان کے واحد یا متعدد ہونے کا فیصلہ کیا جا سکے۔ چنانچہ ان کے اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ضابطہ متعدد امور پر مشتمل ہے جن میں ایک وحدت مکان بھی ہے۔

یعنی ایک دیوان سے تعلق رکھنے کی ایک شرط یہ ہو گی کہ وہ سب ایک جگہ کے رہنے والے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس وقت پورے دارالاسلام کے تمام سپاہیوں کے نام ایک ہی دیوان میں لکھے ہوئے نہیں تھے بلکہ عالم اسلام میں جو مختلف صوبے تھے ان کے الگ الگ دیوان تھے جن میں متعلقہ سپاہیوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اور ایک دیوان سے مراد ایک صوبہ کا دیوان تھا۔(۲۷) چنانچہ شام ایک صوبہ تھا' عراق ایک صوبہ تھا اور مصر ایک صوبہ تھا۔ اور راجح رائے یہ تھی کہ ہر صوبے کے سپاہی صرف اپنے صوبے کی سپاہیوں پر عائد ہونے والی دیت ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے اور دوسرے صوبوں کے سپاہیوں پر عائد ہونے والی دیت ادا کرنا ان کی ذمہ داری نہ ہو گی' کیونکہ ہر صوبے کا دیوان ایک الگ مستقل دیوان تھا۔

فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ اور تبیین میں ہے کہ "ہر شہر کے لوگ اپنے شہر کے نواحی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی دیت ادا کریں گے کیونکہ وہ اہل شہر ہی کے پیروکار ہوتے ہیں اور جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ انہیں سے مدد طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی قربت اور مدد کرنے کے اعتبار سے وہ ان کی دیت بھی ادا کریں گے۔ اس اصول کے مطابق اگر کوئی شخص بصرہ میں رہتا ہو لیکن اس کا دیوان کوفہ میں ہو تو اس کی طرف سے دیت اہل کوفہ ادا کریں گے کیونکہ اسے نصرت و حمایت پڑوسیوں سے نہیں بلکہ اہل دیوان سے حاصل ہوتی ہے۔(۲۸) فقہ حنفی میں ایک رائے یہ بھی موجود ہے کہ شہر اور صوبے کو نظر انداز کرتے ہوئے دیت کے اعتبار سے مقاتل (جنگجو سپاہی) جہاں بھی ہوں ایک ہی دیوان کے لوگ متصور ہوں گے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین نے "تنویر الابصار" کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے یہ شرط عائد کی ہے کہ مجرم اسی شہر کا ہونا چاہیے لیکن بعض نے ایسی کوئی شرط عائد نہیں

کی' انہوں نے معاملے کو مطلق رکھا ہے۔(۲۹) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مسئلے کی نسبت حنفی فقہ میں دو اقوال ہیں: ایک یہ کہ دیت کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ مجرم اور عاقلہ دونوں کا تعلق ایک ہی اقلیم (صوبہ) سے ہو۔ لیکن دوسرے قول کے مطابق یہ چیز ضروری نہیں' بلکہ صرف اتنی بات کافی ہے کہ مجرم مقاتل (سپاہیوں) میں سے ہو' خواہ اس کا تعلق کسی اقلیم (صوبہ) سے ہو۔ دوسری چیز طائفہ (جماعت' گروہ) ہے اور اس سے مراد کسی شخص کی اصل یا نسل ہے۔ اس حقیقت سے تو عام لوگ واقف ہیں کہ اسلام صرف اہل عرب اور ان کے شہروں تک محدود نہیں رہا بلکہ اہل عرب کے علاوہ دیگر قوموں نے بھی اسلام قبول کیا اور اس کی حدیں دور دور تک پھیل گئیں۔ چنانچہ شام' عراق' ایران' مصر' شمالی افریقہ اور اندلس جیسے دور افتادہ علاقے بھی اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے۔ اور حق کی سربلندی کے لئے جہاد و قتال میں حصہ لیا۔ چنانچہ بعض فقہائے مالکیہ کی رائے ہے کہ اگر ایک ہی اقلیم (صوبہ) میں ایک لشکر کے کئی گروہ (یونٹ) ہوں تو ہر طائفہ (گروہ) صرف اپنے گروہ سے متعلق مجرم کی دیت ادا کرے گا وہ اور دوسرے گروہوں سے تعلق رکھنے والے مجرموں کی دیت ادا کرنے کا وہ زمہ دار نہیں ہو گا۔ لیکن تمام فقہائے مالکیہ اس رائے پر متفق نہیں۔ بلکہ ان کی ایک رائے اور بھی ہے جس کے تحت ایک اقلیم کے تمام گروہ مل کر ایک عاقلہ قرار پائیں گے۔ اور ان میں سے جو شخص جرم کا ارتکاب کرے گا اس کی دیت ادا کریں گے۔ الدسوقی کے حاشیے میں لکھا ہے کہ اگر کسی شہر کا لشکر متعدد گروہوں پر مشتمل ہو اور ہر گروہ کی تعداد اور وظیفہ ایک رجسٹر میں درج ہو تو کیا اس شہر کے تمام گروہ ایک اہل دیوان شمار ہوں گے یا ان میں سے ہر طائفہ ایک الگ "اہل دیوان" شمار ہو گا۔ بعض فقہاء پہلی رائے کے قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اہل دیوان سے مراد

ایک اقلیم (صوبہ) کے اہل دیوان ہیں۔ لیکن بعض فقہاء اس سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایک شہر کے تمام مقاتل (سپاہی) ایک "اہل دیوان" ہیں' خواہ ان کے سات گروہ ہوں اور ان میں عرب اور دوسری قوموں کے لوگ بھی موجود ہوں۔ پہلی رائے کے مطابق اگر مقاتلین (سپاہیوں) کے سات گروہ ہوں تو سب مل کر مجرم کی دیت ادا کریں گے۔ خواہ اس کا تعلق کسی گروہ سے ہو۔ اور دوسری رائے کے مطابق ایک گروہ کے سپاہی صرف اس مجرم کی دیت ادا کریں گے جس کا تعلق ان کے اپنے گروہ سے ہو۔(۳۰)

فقہائے احناف نے دیوان کے تصور کو مزید آگے بڑھایا ہے اور کہا ہے کہ اہل دیوان میں صرف لشکر کے مقاتل (سپاہی) ہی شامل نہیں بلکہ وہ تمام جماعتیں اور گروہ جو ایک نوعیت کے ہوں اور بیت المال سے وظیفہ وصول کرتے ہوں وہ "اہل دیوان" میں شامل ہیں خواہ وہ مقاتل (جنگجو سپاہی) ہوں یا نہ ہوں۔ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب حاشیہ ابن عابدین میں غرر الافکار کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر مجرم غازیوں اور مجاہدوں میں سے ہو تو اس کی دیت ادا کرنا ان اہل دیوان کی ذمہ داری ہو گی جو بطور مجاہدین وظیفہ لیتے ہوں۔ اور اگر وہ کاتب ہو تو اس کی دیت ایسے اہل دیوان ادا کریں گے جو بطور کاتب وظیفہ حاصل کرتے ہوں۔(۳۱) اس طرح فقہائے احناف کے ہاں عاقلہ کا دائرہ وسیع ہو گیا اور اس سے پہلے ان کے ہاں عاقلہ کا جو تصور عملاً رائج تھا اس کے بجائے اب اس کا مدار بیت المال سے وظیفہ کا حصول قرار دیا گیا۔

عصبات

تمام مسالک فقیہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مجرم کے عصبات اس کی عاقلہ ہیں۔ لیکن اس بات پر ان کے درمیان اختلاف ہے کہ عصبات پر مشتمل عاقلہ کا درجہ کیا ہے؟ احناف کے نزدیک عصبہ اہل دیوان کا بدل ہے۔ چنانچہ ان کی رائے میں عصبہ کی جانب اس وقت رجوع کیا جائے گا جب اہل دیوان موجود نہ ہوں۔ لیکن دوسرے فقہاء کے نزدیک عصبات ہی اصل ہیں۔

عصبہ کی دو قسمیں ہیں: عصبۂ قرابت یا نسب اور عصبۂ ولا یا سبب۔

عصبۂ نسبی کسی شخص کے وہ پدری رشتہ دار ہیں جن کے سلسلہ تعلق کے درمیان میں کوئی عورت نہ ہو۔ مثلاً باپ' دادا' بیٹے' پوتے' بھائی' بھتیجے' چچا اور چچازاد۔ جب کہ ماں شریک بھائی' تمام مادری رشتہ دار اور اس طرح شوہر اور بیوی عصبات میں داخل نہیں۔ عصبہ پر دیت عائد ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ بالفعل وارث بن رہے ہوں۔ بلکہ عصبہ کے وہ تمام افراد عاقلہ قرار پائیں گے جو اگر حاجب (رکاوٹ بننے والا) موجود نہ ہو تو وارث بنتے ہوں (۳۲) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قاتلہ عورت کی دیت ادا کرنے کا ذمہ دار اس کے عصبہ کو قرار دیا اور اس کی میراث اس کے بیٹوں اور شوہر کو دلوائی(۳۳)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عصبہ محض عصبہ ہونے کی بناء پر ادائیگیٔ دیت کے ذمہ دار ہوں گے' خواہ بالفعل وارث ہوں یا نہ ہو۔

اگرچہ مجرم کا باپ اور بیٹا اس کے عصبہ اور قریب ترین رشتہ دار ہیں مگر اس معاملے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہیں کہ آیا وہ عاقلہ میں شامل ہیں یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ عصبات تمام کے تمام عاقلہ میں داخل ہیں یعنی مجرم کا باپ' دادا' بیٹے' بھائی' چچا اور چچازاد عصبات میں شامل ہیں۔ ایک قول

کے مطابق مسلک احمدؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ اس رائے کی بنیاد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہے جو عمروؓ بن شعیب نے اپنے والد اور دادا سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی دیت ادا کرنا اس کے ایسے عصبہ کی ذمہ داری ہو گی جو اس کے وارث نہ ہوں سوائے اس مال کے جو اس کے وارثوں سے بچ رہے اور اگر وہ قتل کر دی جائے تو اس کی دیت اس کے ورثا کے درمیان تقسیم کی جائے گی۔

حنفی فقہاء نے باپ اور بیٹوں کو بھی عصبہ میں داخل کیا ہے۔ یعنی انہیں بھائیوں کی طرح قرار دیا ہے کیونکہ ادائے دیت کی بنیاد ایک دوسرے کی نصرت اور مدد پر ہے اور یہ لوگ اس کے اہل (کنبے والے) ہیں۔ دیت کا بار اٹھانے کے معاملے میں عصبہ کی بھی وہی صورت ہے جو میراث کے معاملے میں ورثاء کی ہے۔ یعنی پہلے قریب ترین عصبہ اور پھر ان سے قریب کے عصبہ۔ چونکہ باپ اور بیٹے میراث میں مقدم ہیں اس لئے وہ دیت کا بار اٹھانے میں بھی مقدم رہیں گے۔ جہاں تک شافعیہ کا تعلق ہے ان کے نزدیک باپ اور بیٹے عاقلہ میں داخل نہیں ہیں۔ ایک قول کے مطابق مسلک احمد کی بھی یہی رائے ہے۔ اس قول کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ھذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ایک نے دوسری کو قتل کر دیا۔ ان عورتوں میں سے ہر ایک کا شوہر بھی تھا اور بیٹا بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت عاقلہ پر عائد کی اور شوہر اور بیٹے کو دیت کی ادائیگی سے بری قرار دیا۔ چونکہ بیٹے کے بارے میں مندرجہ بالا حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس پر دیت کی ادائیگی واجب نہیں ہے تو باپ بھی اس حکم میں شامل ہو گا کیونکہ عصبہ ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ نیز یہ کہ عاقلہ پر دیت اس لئے عائد ہوتی ہے کہ قاتل پر زیادہ بوجھ نہ پڑ جائے۔ اگر باپ اور بیٹا عاقلہ میں داخل ہوں تو یہ بوجھ بدستور موجود رہے

گا۔ والدین کا مال اولاد کے مال کی طرح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ والدین کے حق میں اولاد کی گواہی اور اولاد کے حق میں والدین کی گواہی قابل قبول نہیں۔ مگر ضرورت پڑنے پر دونوں کے لئے ایک دوسرے کے اخراجات برداشت کرنا لازم ہیں۔(۳۴) جہاں تک امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کا تعلق ہے' ان کے ہاں اسی طرح کا اختلاف بھائیوں کی نسبت بھی منقول ہے۔ الخرقی کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ والدین اور اولاد کی طرح بھائیوں کے بارے میں بھی دو اقوال ہیں۔(۳۵)

مذکورہ بالا اختلاف رائے سے قطع نظر' جمہور فقہاء کے نزدیک اصول یہ ہے کہ بار دیت تمام عصبات پر پڑے گا خواہ وہ دور کے ہوں یا قریب کے۔ البتہ فقہائے ظاہریہ کی رائے میں جملہ عصبہ عاقلہ نہیں بلکہ صرف ایک بطن تک کے عصبات عاقلہ قرار دیئے جائیں گے' اس سے اوپر کے لوگ عاقلہ نہیں ہوں گے۔(۳۶) اہل عرب کے نزدیک بطن چوتھے دادا کی اولاد کہلاتی ہے۔ جو عصبہ درجے میں بطن سے دور ہوں گے ان پر دیت واجب نہیں ہوگی۔ دیت صرف ایک بطن کے بیٹوں پر عائد ہوگی۔

دیت ادا کرنے کی ذمہ داری بھی سب سے پہلے اقرب عصبات پر عائد ہوگی اور سب سے اقرب عصبات باپ کے بیٹے یعنی بھائی ہیں اور اگر وہ تعداد کم ہونے کی بنا پر ناکافی ہوں تو باقی دیت دادا کی اولاد یعنی چچاؤں اور ان کے بیٹوں پر عائد ہوگی اور اگر وہ بھی ناکافی ہوں تو دیت دادا کے باپ کی اولاد پر آئے گی اور اس طرح پوری دیت ادا کرنے کی ذمہ داری درجہ بدرجہ تمام عصبات پر عائد کی جائے گی۔(۳۷) فقہاء نے اس حکم کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ دیت بنیادی طور پر عصبہ پر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ میراث کی طرح اس میں بھی قریب ترین رشتہ داروں کو شامل کیا جائے۔ چنانچہ اگر پوری دیت قریبی رشتہ داروں پر ڈال کر تقسیم مکمل ہو جائے تو درجے میں ان کے بعد آنے والے عصبہ پر کچھ عائد نہ ہوگا۔ لیکن ان کی

تعداد کم ہو تو ترتیب کے لحاظ سے جو بعد کے رشتہ دار ہوں گے باقی دیت ان پر عائد کی جائے گی۔(۴۸)

جہاں تک سببی عصبہ کا تعلق ہے ان سے مراد موالی (یعنی آزاد کردہ غلام) ہیں۔ ان کے عصبہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ مجرم کی اصل (یعنی نسب) میں شامل ہیں بلکہ ان کا مجرم سے تعلق آزادی حاصل کرنے یا موالاۃ (دوستی) کا ہے۔

ولاً عتق (غلامی سے آزادی کی بنیاد پر قائم ہونے والا تعلق) کا مفہوم یہ ہے کہ اگر آزاد کردہ غلام غلطی سے کوئی جرم کر بیٹھے تو اس کی دیت وہ شخص ادا کرے گا جس نے اسے آزاد کیا ہو اور اس کے عصبات یا ذوی الفروض (یعنی میراث کے حصہ دار) نہ ہونے کی صورت میں اس کی میراث کا وارث بھی وہی ہو گا۔ ولاء موالاۃ کا مطلب یہ ہے کہ کسی عرب مسلم اور عجمی مسلمان کے درمیان یہ معاہدہ ہو کہ اگر عجمی مسلمان کوئی جرم کرے گا تو عرب مسلم اس کی دیت ادا کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔ اور اگر وہ عجمی مسلمان کوئی جرم کرے گا تو عرب مسلم اس کی دیت ادا کرنے کا ذمہ دار ہو گا۔ اور اگر وہ عجمی مسلمان اس حال میں مرے کہ اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا وارث بھی وہی عرب مسلم ہو گا۔ جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر مجرم کے نسبی عصبہ موجود نہ ہوں تو اس کے موالی (آزاد کردہ غلام) اس کی عاقلہ ہوں گے۔ لیکن اہل ظاہر کی رائے اس کے خلاف ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دیت کا بار مجرم کے صرف نسبی عصبہ برداشت کریں گے۔ ویسے بھی چونکہ اب موالات کانظام ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا سببی عصبہ کا وجود باقی نہیں رہا۔

وہ لوگ جو عاقلہ میں شامل نہیں

چونکہ عاقلہ کا مدار نصرت اور مدد پر ہے لہٰذا فقہائے کرام اس امر پر متفق ہیں کہ جو شخص نصرت کا اہل نہ سمجھا جائے وہ عاقلہ میں شمار نہیں ہو گا۔ فقہاء کے

نزدیک یہاں نصرت سے مراد لڑائی اور جنگ میں مدد دینا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس نصرت کا اہل ہو گا اس کا شمار عاقلہ میں ہو گا' اور جو شخص اس نصرت کا اہل نہ ہو اس کا شمار عاقلہ میں نہ ہو گا۔ اہل نصرت میں وہ شخص شمار ہو گا جو پختہ عقل رکھتا ہو اور جسمانی طور پر اتنا مضبوط ہو کہ جنگ کی شدت برداشت کر سکتا ہو۔

چونکہ عاقلہ بننے کی وجہ نصرت اور مدد ہے اور اس کے نتیجے میں انسان پر ایک مالی بوجھ پڑتا ہے' اس لئے ضروری ہے کہ جو شخص عاقلہ کا فرد بنے وہ دیت کا بار برداشت کرنے کی مالی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک غیر مکلف پر دیت عائد نہیں ہوتی۔ بچے اور مجنون لوگ چونکہ اچھی اور بری بات میں تمیز نہیں کر سکتے' اس لئے وہ نہ اہل نصرت ہیں نہ ان پر دیت واجب ہوتی ہے۔(۳۹) علاوہ ازیں چونکہ فقہاء کی رائے میں نصرت مردوں سے حاصل ہوتی ہے اس لئے عورتیں نہ عاقلہ میں شامل ہوتی ہیں اور نہ ان پر دیت واجب ہوتی ہے۔ علامہ سرخسیؒ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ عورتیں چونکہ اپنی جسمانی ساخت کی بناء پر لڑائی میں مدد اور نصرت کی اہلیت نہیں رکھتیں لہٰذا حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل حرب (جنگ لڑنے والے غیر مسلم لوگوں) کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ان پر (یعنی عورتوں اور بچوں پر) جزیہ بھی واجب نہیں کیا۔ کیونکہ یہ لوگ اہل قتال (جنگ لڑنے والوں) میں سے نہیں۔ غرض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ بچے' عورتیں اور مجنون لوگ کسی دوسرے شخص کے جرم کی دیت ادا نہیں کریں گے۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی جرم کا ارتکاب کرے تو کیا اس کی دیت ادا کی جائے گی؟ اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ (۴۰) خود قاتل پر دیت کا جو حصہ عائد ہوتا ہے تو وہ بقول سرخسی اس لئے عائد ہوتا ہے کہ وہ بھی عاقلہ کا ایک فرد ہوتا ہے' جب کہ عورتیں اور بچے عاقلہ کے افراد میں نہیں ہیں۔(۴۱) فقہاء احناف

کی بھی یہی رائے ہے خواہ دیوان میں ان کا (یعنی بچوں، عورتوں اور مجنون لوگوں کا) نام بطور وظیفہ خوار درج ہو۔ کیونکہ دیوان میں ان کا نام نصرت کی بنیاد پر شامل نہیں کیا جاتا بلکہ کفالت کی بنیاد پر درج کیا جاتا ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات کے نام دیوان میں درج کئے تھے اور انہیں سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔(۴۲)

بیماری اور پیرانہ سالی بذات خود دیت کا بار عائد ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ تدبیر کرنے یعنی جنگ کی منصوبہ بندی کی حد تک مریض اور بوڑھے بھی اہل نصرت میں سے ہیں سوا اس کے کہ کوئی شخص پرانا مریض ہو یا کوئی مرد انتہائی بوڑھا ہو چکا ہو۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فقہائے شافعیہ اور حنابلہ کے دو اقوال ہیں۔ پہلا یہ کہ ایسے مریض یا بوڑھے پر دیت عائد نہ ہو گی کیونکہ یہ اہل نصرت میں سے نہیں ہے اور نہ اس پر جہاد واجب ہے۔ علاوہ ازیں اہل حرب کے ایسے لوگوں کو جو بہت بیمار یا بوڑھے ہوں، قتل کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ (ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں پر دیت بھی عائد نہیں ہونی چاہئے) جو لوگ نابینا یعنی آنکھوں سے معذور ہوں ان کے بارے میں بھی یہی رائے ہے، کیونکہ وہ بھی معنوی طور پر بیمار اور بوڑھے لوگوں ہی کی طرح ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان پر دیت عائد ہو گی کیونکہ وہ اہل مواسات (ہمدردی کے کام کرنے والوں) میں سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر زکوۃ عائد ہوتی ہے۔(۴۳)

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ تنگ دستوں (یعنی فقراء) پر دیت عائد نہیں ہو گی کیونکہ عاقلہ کی جانب سے دیت کا بوجھ برداشت کرنا مواسات (ہمدردی) پر مبنی عمل ہے۔ اور فقراء اہل مواسات (ہمدردی کے کام کرنے والوں) میں سے نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں عاقلہ کی جانب سے دیت کی ذمہ داری اس لئے برداشت کی جاتی ہے تاکہ مجرم کو مشقت اور تکلیف سے بچایا جا سکے۔ لہٰذا اگر فقراء پر دیت عائد کی گئی تو یہ امران

کے لئے باعث تکلیف ہو گا اور فقیروں کو تکلیف پہنچا کر مجرموں کو تکلیف سے بچانا صحیح نہ ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ دیت کا جو حصہ کسی فقیر پر عائد کیا جائے وہ اس کے تمام مال کے برابر ہو یا اس سے بھی زائد ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ جس نادار پر دیت ڈالی جا رہی ہے اس کے پاس سرے سے کچھ بھی نہ ہو۔(۴۴)

امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کی جانب یہ رائے بھی منسوب کی گئی ہے کہ فقراء بار دیت برداشت کریں گے کیونکہ وہ اہل نصرت میں سے ہیں اور مال دار لوگوں کی طرح عاقلہ میں شامل ہیں۔(۴۵) تاہم مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے فقہاء کی قوی تر رائے یہی ہے کہ فقراء پر بار دیت نہیں ڈالا جائے گا کیونکہ ان لوگوں کی حیثیت غارمین کی سی ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں فقیر وہ ہے جس کے پاس اپنی غذائی ضرورت پوری کرنے کے سوا کچھ نہ ہو اور غارم سے مراد ایسا قرضدار ہے جس پر اتنا ہی قرض ہو جتنا اس کے پاس مال ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس صرف اتنا مال بچے جس سے وہ فقراء ہی کے زمرے میں شمار ہونے کے لائق قرار پائے۔(۴۶)

اگر دو افراد کا دین ایک دوسرے سے مختلف ہو تو وہ ایک دوسرے کی عاقلہ نہیں بن سکتے۔ یعنی کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی دیت ادا نہیں کرے گا اور نہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کی دیت کا بوجھ اٹھائے گا۔ فقہائے کرام نے اس حکم کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ عاقلہ کی جانب سے دیت کی ادائیگی کا حکم باہمی نصرت اور موالات (تعلق ۔ دوستی) پر مبنی ہے۔ لیکن اختلاف مذہب و ملت کی صورت میں باہمی نصرت اور موالات کا یہ اصول قائم نہیں رہتا۔ جیساکہ میراث اور نفقہ کے حکم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔(۴۷) رہا یہ سوال کہ آیا غیر مسلم آپس میں ایک دوسرے کی عاقلہ بن سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس موضوع پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

اصول یہ ہے کہ عاقلہ کے تمام افراد دیت کی ادائیگی میں شریک ہوتے ہیں کیونکہ عصبہ ہونے میں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون حاضر ہے اور کون غیر حاضر۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عاقلہ ہونے میں بھی وہ سب برابر ہوں۔ یہ رائے حنفی اور حنبلی فقہاء کی ہے'(۴۸) جہاں تک مالکی فقہاء کا تعلق ہے ان کے نزدیک بار دیت برداشت کرنے کے لئے عاقلہ کے افراد کی موجودگی شرط ہے۔ اگر ان میں سے کوئی شخص مسلسل غائب ہو تو اس پر کوئی شے عائد نہیں ہو گی۔ (۴۹) فقہائے شافعیہ نے بھی افراد عاقلہ کے غیر موجود ہونے کے پہلو کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ المہذب میں لکھا ہے' اگر نسب کے لحاظ سے قریبی لوگ غائب ہوں اور دور کے رشتہ دار موجود ہوں تو اس بارے میں دو رائیں ہیں۔ ایک یہ کہ قریبی نسبی رشتہ دار مقدم ہوں گے کیونکہ دیت کی ذمہ داری عصبہ ہونے ہی کی بناء پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا میراث کی طرح اس میں بھی قریبی رشتہ دار مقدم ہوں گے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ موجود رشتہ داروں میں جو لوگ مقدم ہوں گے انہی کو مقدم تصور کیا جائے گا' اس لئے کہ دیت کی اساس نصرت و امداد پر ہے جو موجود رشتہ داروں ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر متعدد رشتہ دار نسب میں مساوی ہوں اور ان میں سے کچھ موجود ہوں اور کچھ غائب تو اس صورت میں بھی دو رائیں ہیں۔ ایک یہ کہ موجود رشتہ دار مقدم ہوں گے کیونکہ وہ مدد و نصرت میں مقدم ہیں۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ میراث کی طرح تمام ورثاء اس معاملے میں بھی برابر ہوں گے۔(۵۰)

کسی شخص کی نسبت بچپن' جنون' بلوغ' عقل' معاشی خوش حالی' تنگ دستی' غائب اور حاضر ہونے کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے یہ دیکھا جائے گا کہ عاقلہ پر دیت عائد ہونے کا جو فیصلہ ہوا اس وقت اس کی کیا کیفیت تھی۔ چنانچہ اگر دیت عائد ہونے کے وقت کوئی شخص بچہ تھا' یا غارم یعنی مقروض تھا یا اس طرح غائب

تھا کہ اس کے متعلق کچھ پتا نہ تھا کہ کہاں ہے تو اس پر دیت عائد نہیں ہو گی۔ اسی طرح اگر عاقلہ پر دیت عائد ہونے کے بعد لیکن اس کی وصولی سے قبل بچہ بالغ ہو جائے یا مجنون' ذی ہوش ہو جائے یا غیر موجود شخص واپس آ جائے تو اس پر بھی دیت لازم نہیں ہو گی۔ نیز عاقلہ پر دیت کے فیصلہ کے بعد اور اس کی وصولی سے قبل بھی اس پر کوئی شے لازم نہیں ہو گی لیکن اگر کوئی شخص عاقلہ پر دیت عائد ہونے کے فیصلے کے وقت بالغ' عاقل اور فراخ دست (خوشحال) تھا اور غائب بھی نہ تھا بلکہ موجود تھا تو اس پر جو دیت عائد کی گئی اس کا کوئی حصہ اس سے ساقط نہ ہو گا' خواہ وہ مجنون ہو جائے' کہیں چلا جائے یا اس کی موت واقع ہو جائے(۵۱) کیونکہ دیت ایک ایسی مالی ذمہ داری ہے جو صرف قتل کے جرم کا ارتکاب کرنے سے عائد نہیں ہوتی بلکہ عدالتی فیصلے سے عائد ہوتی ہے۔ اسی بناء پر فیصلے سے پہلے بھی عائد نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ دیت ضائع شدہ چیز کا ضمان ہے اور جیسا کہ علامہ سرخسی نے کہا ضمان مثلی (یعنی جو چیز ضائع ہوئی اسی جیسی چیز) ہوتا ہے۔ قتل کے جرم میں جان کا مثل جان ہوتی ہے' جان بدلہ جان کے نہ ہونے کی صورت میں قاضی کے فیصلے کے تحت یہ حق مال میں تبدیل ہوگیا۔(۵۲) قاضی کے فیصلے کے مطابق عائد ہونے کی صورت میں یہ دیت مستحق کا حق بن جاتی ہے اور جس پر عائد ہوتی ہے اس پر دَین (مالی ذمہ داری) بن جاتی ہے اس لئے اس کی وصولی میں تاخیر اس کے وجوب پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ افراد عاقلہ کے تعین میں' کہ کون لوگ عاقلہ میں داخل ہیں اور کون نہیں' اور کون لوگ بار دیت برداشت کریں گے اور کون نہیں' اس وقت کا اعتبار کیا جائے گا جس وقت عدالت نے دیت کا فیصلہ صادر کیا۔ اس سلسلے میں اس وقت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس وقت قتل کا جرم وقوع پذیر ہوا' یا جس وقت دیت وصول ہوئی۔

کیا عاقلہ کے ساتھ مجرم بھی دیت ادا کرے گا؟

اس امر کی نسبت فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا عاقلہ کے ساتھ مجرم بھی بار دیت برداشت کرے گا۔ یا دیت کی ذمہ داری صرف عاقلہ پر عائد ہو گی۔ اور مجرم پر اس کا کوئی حصہ لازم نہ ہو گا۔ شافعی' مالکی اور حنبلی فقہاء کی رائے ہے کہ مجرم پر دیت کا کوئی حصہ عائد نہیں ہو گا بلکہ پوری دیت صرف عاقلہ کو ادا کرنی پڑے گی۔ ان کی دلیل مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے:

"ولیس علیکم جناح فیما اخطأتم به" (الاحزاب ۵:۳۳)

اور تم پر خطا میں کوئی گرفت نہیں ہے

اسی طرح فرمان نبوی ہے: میری امت سے خطا اور بھول کی ذمہ داری اٹھا لی گئی ہے۔ خطا کی ذمہ داری اٹھا لینے کا مطلب یہی ہے کہ مجرم پر دیت بالکل عائد نہ ہو۔

ایک اور حدیث جو حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے' اس میں کہا گیا ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت اس عورت کی عاقلہ پر عائد کی ہے جس نے اسے قتل کیا تھا اور اس کے شوہر اور بیٹے کو ادائے دیت سے بری قرار دیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دیت عاقلہ پر عائد کی اور یہ کہ اگر قاتل پر پوری دیت عائد نہیں ہوتی تو اس پر دیت کو کوئی حصہ بھی عائد نہیں ہونا چاہئے۔ جیسے اگر امام کسی شخص کو حکم دے کہ فلاں شخص کو قتل کر دو اور وہ اس حکم کو صحیح سمجھتے ہوئے اس شخص کو قتل کر دے مگر بعد میں پتا چلے کہ مقتول مظلوم تھا۔ علاوہ ازیں قاتل پر کفارہ بھی عائد ہوتا ہے جو اسے اپنے مال سے ادا کرنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کفارہ دیت کے اس حصے کے برابر یا اس سے زائد ہوتا ہے جو قاتل پر عائد ہو سکتا ہے' اس لئے قاتل پر دیت عائد کرنے کی

ضرورت نہیں۔(۵۳) لیکن فقہائے حنفیہ مجرم کو عاقلہ ہی کا ایک فرد سمجھتے ہیں اور عاقلہ کے دیگر افراد کی طرح اس پر بھی دیت عائد کرتے ہیں کیونکہ عاقلہ پر دیت اس لئے عائد ہوتی ہے کہ مجرم سے دیت کا بار کم کیا جائے اور یہ کمی اور تخفیف کل دیت میں ہو گی نہ کہ اس کے ایک حصے میں۔ مزید برآں عاقلہ پر دیت باعتبار نصرت عائد ہوتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ مجرم دوسروں کی مدد کے ساتھ اپنا بھی مددگار ہوتا ہے۔ جیسے معذور پر شرعاً" مواخذہ نہیں' اس طرح عاقلہ بھی اس کے فعل کے لئے جوابدہ نہیں۔فرمان الٰہی ہے:

"ولا تزر وازرۃ وزر اخری"

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

جس شخص نے کوئی جرم نہیں کیا وہ اس شخص کے مقابلے میں جس نے جرم کیا' خواہ غلطی سے ہو' اس امر کا زیادہ حق دار ہے کہ اس پر جوابدہی کی ذمہ داری عائد نہ ہو۔ لیکن اگر اس کے باوجود عاقلہ کے ہر فرد پر دیت کا ایک حصہ عائد ہوا ہے تو مجرم پر بھی اس کا ایک حصہ عائد ہونا چاہئے۔(۵۴)

غیر مسلموں کی عاقلہ

فقہائے کرام کے نزدیک عاقلہ پر دیت عائد ہونے کی اساس ایک دوسرے کی مدد اور ہمدردی کا جذبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ باہمی نصرت وتعاون کا یہ جذبہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں' لہٰذا جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلم بھی عاقلہ قرار پائیں گے' خواہ مقتول یا مجروح (شخص متضرر ۔ Victim) مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اگر اہل ذمہ (یعنی غیر مسلموں) کی معروف (جسے اکثر لوگ جانتے ہوں) عاقلہ موجود ہو اور اپنے مجرم کی دیت ادا کرنے کا ان میں رواج موجود ہو تو ایسے لوگوں میں سے اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اس کی دیت اس کی عاقلہ پر عائد ہو گی۔ جو فقہاء اہل

دیوان کو عاقلہ سمجھتے ہیں' ان کے نزدیک غیر مسلموں کی عاقلہ اہل دیوان ہیں اور جو فقہاء اہل دیوان کو عاقلہ نہیں سمجھتے ان کے نزدیک مجرم کے عصبہ کو اس کی عاقلہ قرار دیا جائے گا۔ لیکن اگر قاتل کے عصبہ بھی موجود نہ ہوں تو اس کے اہل مذہب اس کے عصبہ متصور ہوں گے' یعنی نصرانی کی دیت نصرانی ادا کریں گے اور یہودی کی دیت یہودی برداشت کریں گے۔(۵۵) حنبلی فقہاء کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ جب کہ فقہاء احناف یہ سمجھتے ہیں کہ اس معاملے میں یہ لوگ بھی مسلمانوں ہی کی طرح ہیں' کیونکہ انہوں نے معاملات' خصوصاً" ان معاملات میں جن میں دیگر افراد کے لئے ضرر کا کوئی پہلو نہ ہو اسلامی احکام کا اطلاق اپنے اوپر قبول کر لیا ہے اور باہمی نصرت کا جذبہ ان کے یہاں بھی موجود ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کی ایک رائے یہ بھی نقل کی جاتی ہے کہ غیر مسلموں کے بارے میں عاقلہ کا حکم جاری نہیں ہو گا' کیونکہ عاقلہ پر دیت کا عائد ہونا صرف مسلمانوں سے متعلق خصوصی حکم ہے اور اس کا مقصد مجرم کے بار دیت میں کمی کرنا ہے جو مسلمان ہو لہذا غیر مسلموں پر اس کا اطلاق نہ ہو گا جیسے زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر واجب ہے تاکہ مسلم فقراء کی امداد ہو سکے۔ لیکن ذمیوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بہرحال حنبلی مسلک میں بھی پہلا قول ہی راجح ہے۔

اس شخص کا حکم جس کی عاقلہ نہ ہو

جس شخص کی کوئی عاقلہ نہ ہو فقہائے کرام اسے سائبہ (جس کا کوئی وارث نہ ہو) کہتے ہیں۔(۵۶) یوں تو سائبہ مسلمان بھی ہو سکتے ہیں اور غیر مسلم بھی' لیکن جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے' ان کے بارے میں فقہاء متفق ہیں کہ ہر ایسا غیر مسلم جس کی کوئی عاقلہ نہ ہو' سائبہ ہے' کیونکہ بیت المال تو مسلمانوں کے لئے مخصوص ہونے کی بناء پر غیر مسلموں کی دیت ادا نہیں کرتا۔ اور چونکہ جان اور اعضاء

کا ضمان ادا کرنا لازم ہے' اس لئے اگر کوئی ایسا غیر مسلم جس کی عاقلہ نہ ہو' کسی کو قتل کر دے یا اس کا کوئی عضو کاٹ ڈالے تو بار دیت مجرم پر ہو گا۔ گویا دیت مجرم کے مال سے وصول کی جائے گی۔

اگر سائبہ کوئی مسلمان ہو۔۔ جیسے لقیط یعنی حرامی بچہ جسے کوُڑے کے ڈھیر سے اٹھایا گیا ہو' یا کوئی حربی(جو مسلمانوں کے ساتھ بر سرپیکار رہا ہو) یا ذمی (ایسا غیر مسلم جو اسلامی ریاست میں بحیثیت ذمی قیام پذیر رہا ہو) لیکن بعد میں ایمان لے آیا ہو تو ایسے شخص کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی اور بعض لوگوں کی رائے ہے کہ دیت اس کے مال پر عائد ہو گی۔ ایک مرجوح رائے یہ بھی ہے کہ اس سے دیت بالکل ساقط ہو جائے گی۔ اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ایسے شخص کی دیت بیت المال پر عائد ہو گی خواہ وہ خوش حال اور فراخ دست ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اگر بیت المال موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں دیت مجرم کے مال پر عائد ہو گی۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ دیت ہر حالت میں مجرم کے مال پر عائد ہو گی۔

حنفی مسلک میں ظاہر الروایہ صفحہ ۱ کے مطابق ایسے مجرم کی دیت جس کی عاقلہ نہ ہو بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ تاہم امام محمدؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ دیت کی ادائیگی مجرم کے مال سے کی جائے گی' بیت المال سے نہیں۔ حنفی مسلک کے اس دوسرے قول کی توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ ازروئے اصول صحیح بات یہی ہے کہ دیت مجرم کے مال پر عائد ہو کیونکہ جرم اسی سے سرزد ہوا ہے'

ص۱: حضرت امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد امام محمد بن حسن الشیبانی کی چھ کتابوں یعنی (۱) الجامع الصغیر (۲) الجامع الکبیر (۳) کتاب المبسوط (۴) السیر الصغیر (۵) السیر الکبیر اور (۶) کتاب الاثار کو کتب ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے جب کہ ان کی دیگر کتب نوادر کے نام سے موسوم ہیں۔

لیکن عاقلہ پر جو دیت کا بار ڈالا جاتا ہے وہ مجرم کے ساتھ رعایت کے طور پر ڈالا جاتا ہے۔ لہذا اگر مجرم کی عاقلہ نہ ہو تو دیت کی ادائیگی کا حکم مجرم کی طرف لوٹ آئے گا۔ جہاں تک ظاہر الروایہ میں مذکور قول کا تعلق ہے تو اس کی اساس اس حقیقت پر ہے کہ عاقلہ کی جانب سے دیت کی ادائیگی کا انحصار باہمی نصرت پر ہے' اس لئے اگر عاقلہ نہ ہو تو مجرم کو یہ نصرت و تعاون عام مسلمانوں کی جانب سے حاصل ہو گا۔ چونکہ بیت المال میں عام مسلمانوں کا مال موجود ہے لہذا بیت المال سے مجرم کی دیت ادا کی جائے گی۔(۵۷)

اگر مجرم کی عاقلہ نہ ہو تو مالکی فقہاء کے نزدیک دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ لیکن اگر بیت المال نہ ہو یا اس سے ادائیگی ممکن نہ ہو تو دیت کی ادائیگی مجرم کے مال سے ہو گی۔(۵۸)

فقہائے شافعیہ کی رائے ہے کہ اگر مجرم مسلمان ہو لیکن اس کے عصبہ نہ ہوں تو دیت کا بار بیت المال پر عائد ہو گا' کیونکہ اس میں جو مال موجود ہے وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے۔ اور چونکہ عام مسلمان اسی طرح مجرم کے وارث ہیں جیسے عصبات' اس لئے وہ عصبات ہی کی طرح مجرم کا بار دیت بھی برداشت کریں گے۔ اگر کسی مجرم کی عاقلہ ہو اور نہ بیت المال موجود ہو تو ایسی صورت میں دیت کا بار مجرم پر عائد ہونے یا نہ ہونے کی نسبت فقہائے شافعیہ کی دو رائے ہیں: ایک رائے یہ کہ مجرم پر دیت عائد ہو گی اور دوسری رائے کے مطابق اس پر کوئی دیت عائد نہیں ہو گی۔ اس مسئلے میں اختلاف رائے کی وجہ یہ سوال ہے کہ آیا دیت اصلاً مجرم پر عائد ہوتی ہے اور عاقلہ اس بار کو بطور نصرت برداشت کرتی ہے یا یہ بوجھ اصلاً عاقلہ ہی پر پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں فقہاء کے دو اقوال ہیں:(۵۹) پہلا قول یہ ہے کہ دیت بیت المال برداشت کرے گا۔ اور دوسرے قول کے مطابق بیت المال پر ایسی کوئی ذمہ داری عائد

نہیں ہو گی۔

پہلے قول کی سند وہ روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک شخص ہجوم میں کچل کر مارا گیا لیکن یہ پتا نہیں چل سکا کہ اس کا قاتل کون ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اسلام میں کسی شخص کا خون رائیگاں نہیں جاتا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کی ایک وجہ یہ اصول بھی تھا کہ جس شخص کا کوئی وارث نہ ہو' عام مسلمان اس کے وارث ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی مسلمان سے کوئی جرم سرزد ہو جائے اور اس کی کوئی عاقلہ نہ ہو تو اس کی دیت بھی مسلمان ہی ادا کرتے ہیں۔ جہاں تک دوسرے قول کا تعلق ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ بیت المال میں ایسے افراد کا بھی حق ہوتا ہے جن پر دیت عائد نہیں ہوتی' جیسے عورتیں' بچے' مجنون اور فقراء۔ لہٰذا بیت المال سے دیت ادا کر کے ان لوگوں پر وہ بار ڈالنا جائز نہیں جو سرے سے ان پر واجب ہی نہیں۔ نیز یہ کہ دیت عصبہ پر عائد ہوتی ہے' اور بیت المال نہ عصبہ ہے' اور نہ اسے عصبہ کے مسائل قرار دیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک اس واقعے کا تعلق ہے جس میں انصار کا ایک فرد قتل ہو گیا تھا' تو اس موقع پر دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت ادا نہیں فرمائی تھی بلکہ حسن سلوک فرمایا تھا' کیونکہ مقتول کو یہودیوں نے قتل کیا تھا اور بیت المال سے کسی غیر مسلم کی دیت ادا نہیں کی جا سکتی۔ رہی یہ بات کہ جس شخص کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مال بیت المال میں جمع ہو جاتا ہے' تو یہ اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ یہ مال میراث ہے بلکہ اس بناء پر کہ یہ مال فے ہے' حالانکہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمان' غیر مسلموں کے وارث نہیں ہوتے۔ مزید یہ کہ دیت ایسے ورثاء پر بھی عائد ہوتی جو عصبہ میں شامل نہ ہوں بلکہ دیت صرف عصبہ پر عائد ہوتی ہے خواہ وہ وارث ہوں یا نہ ہوں۔ اگر

ایسی صورت حال ہو کہ بیت المال سے دیت کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو اس سلسلے میں فقہائے مسلک کے دو اقوال ہیں: ان میں سے ایک قول کے مطابق مجرم پر کچھ عائد نہ ہو گا' کیونکہ دیت اولاً عاقلہ ہی پر عائد ہوتی ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے عاقلہ کے سوا کسی اور سے دیت کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا۔ نہ شریعت میں اس امر ہی کا کوئی اعتبار ہے کہ کچھ لوگ (ازخود) دیت برداشت کریں یا اس پر راضی ہوں۔ اس طرح دیت اس شخص پر بھی عائد نہیں ہوتی جس پر اصلاً یہ واجب نہ ہو۔ مثلاً اگر قاتل معدوم ہو جائے تو دیت کسی پر بھی واجب نہ ہو گی۔ یہی صورت حال یہاں بھی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر بیت المال سے دیت کی ادائیگی دشوار ہو تو وہ مجرم پر عائد ہو گی' کیونکہ فرمان الٰہی " دية مسلمة الى اهله" عام ہے۔ نیز اس لئے کہ مجرم پر دیت اتلاف جان کی وجہ سے عائد ہوتی ہے اور اس سے ساقط اس لئے ہوتی ہے کہ مقتول کی جان کی تلافی کا بوجھ عاقلہ پر آجاتا ہے۔ اب اگر عاقلہ یہ ذمہ داری پوری نہ کر سکے تو اصولاً اسے مجرم پر ہی عائد رہنا چاہیے۔ مزید یہ کہ اس مسئلے کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ یا تو دم مقتول رائیگاں قرار پائے یا جان تلف کرنے والے پر دیت عائد ہو جائے۔ پہلی بات قرآن و سنت اور اصول شریعت کے خلاف ہونے کے باعث صحیح نہیں ہے' کیونکہ خون کو رائیگاں قرار دینے کی کوئی نظیر موجود نہیں جب کہ قاتل خطاء پر دیت عائد کرنے کی بہت سے نظیریں موجود ہیں۔ دیت اولاً عاقلہ پر واجب نہیں ہوتی' بلکہ مجرم پر عائد ہوتی ہے۔ بعد ازاں عاقلہ اس بار کو برداشت کرتی ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ دیت اولاً عاقلہ ہی پر عائد ہوتی ہے تو یہ بات عاقلہ کے وجود سے مشروط ہو گی۔ اگر سرے سے عاقلہ موجود ہی نہ ہو تو اولاً دیت اس پر عائد ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ (۶۰)

اہل ظاہر کا مسلک یہ ہے کہ عاقلہ پر دیت اس لئے عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک

قسم کے غارم (مقروض) ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر عاقلہ کے افراد کا علم نہ ہو یا وہ دور دراز ممالک میں ہوں تو دیت بیت المال کے غارمین والے حصے میں سے ادا کی جائے گی۔(۶۱)

عاقلہ کس جرم کی دیت برداشت کرے گی اور کس کی نہیں

فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عاقلہ صرف قتل خطاء کی دیت برداشت کرے گی' قتل عمد کی نہیں۔ لیکن قتل شبہ العمد اور اس شخص کے بارے میں وہ مختلف آراء ہیں جس نے خود کشی کا ارتکاب کیا ہو۔ اسی طرح فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ عاقلہ نہ تو اس شخص کی دیت برداشت کرے گی جس نے مقتول کے ورثاء سے صلح کر لی ہو' نہ اس شخص کی جس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہو۔ علماء کا اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا عاقلہ دیت اسی وقت برداشت کرے گی جب وہ واجب ہو' خواہ کم ہو یا زیادہ' یا وہ اس وقت برداشت کرے گی جب دیت کی مقدار اس حد تک پہنچ جائے کہ مجرم کی آسانی اور سہولت کے لئے عاقلہ کا درمیان میں آنا ضروری ہو جائے۔

عاقلہ قتل عمد کی دیت برداشت نہیں کرے گی

اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قتل خطاء کی دیت عاقلہ برداشت کرے گی' لیکن جہاں تک قتل عمد کا تعلق ہے' اس سے عاقلہ کا کوئی واسطہ نہیں (۶۲) کیونکہ اس سلسلے میں جو حدیث وارد ہوئی ہے وہ اس قاتل کے بارے میں ہے جس نے قتل کا ارتکاب ارادۃ نہ کیا ہو بلکہ اس سے جرم غلطی سے سرزد ہوگیا ہو۔ اس حدیث کا مقصد قاتل سے دیت کا بوجھ کم کرنا ہے۔ لیکن جس شخص نے قتل ارادۃً کیا ہو وہ اس رعایت کا مستحق نہیں۔ علامہ ابن قدامہ کی رائے ہے کہ جس شخص کی جان گئی ہے اس کا بدلہ دینا جان ضائع کرنے والے یعنی قاتل پر واجب ہے اور جنایت (یعنی جرم)

کا ارش (دیت)ادا کرنا مجرم پر لازم ہے ۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس فرمان: "مجرم کا جرم اس کی اپنی جان کے خلاف ہوتا ہے۔" ہے۔کا یہی مطلب ہے۔ نیز یہ کہ جنایت "جرم" سے جو بدل عائد ہوتا ہے وہ مجرم کے فعل کے نتیجے میں عائد ہوتا ہے لہٰذا مجرم ہی اس کا نقصان اٹھائے گا جس طرح کہ وہی اس کا فائدہ حاصل کرتا ہے کیونکہ اگر وہ کچھ کماتا تو اس کا فائدہ کسی اور کی بجائے اس کو پہنچتا۔ تمام جرائم اور مالی معاملات میں یہی اصول جاری ہے۔ اس اصول کی خلاف ورزی صرف قتل خطاء میں ہوتی ہے کیونکہ مجرم علی العموم کفارہ اور اس کے ساتھ ساتھ پوری دیت کی ادائیگی سے عاجز ہوتا ہے۔ لہٰذا اس غرر کے پیش نظراور اس کے بوجھ کو کم کرنے کے لئے بار دیت عاقلہ پر ڈال دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے' قتل عمد کا مرتکب کسی اعتبار سے معذور نہیں ہوتا۔ اس لئے قتل خطاء میں جو مواسات کا پہلو ہوتا ہے وہ قتل عمد میں موجود نہیں ہوتا۔ (۶۳)

اگر کوئی بچہ یا ایسا شخص جو مجنون ہو کسی کو ارادۃً قتل کر دے تو اس بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے حنفی' مالکی اور حنبلی فقہاء اس امر کے قائل ہیں کہ ایسے مجرم کا بار دیت عاقلہ برداشت کرے گی (۶۴) لیکن امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق دیت مجرم پر عائد ہو گی اور اس کے مال سے ادا کی جائے گی۔ فقہاء کے مابین اس معاملے میں اختلاف رائے کا سبب یہ ہے کہ آیا بچے یا مجنون کا کسی کو ارادۃً قتل کر دینا قتل عمد سمجھا جائے گا یا قتل خطاء؟ اس سلسلے میں امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ بچے اور مجنون کا عمد (ارادہ) فی الواقع عمد متصور ہو گا' کیونکہ عمد کے معنی ارادہ کے ہیں جو ان دونوں کے فعل میں موجود ہے۔ اور چونکہ قتل عمد میں قصاص ہوتا ہے' جو یہاں جاری نہیں ہو گا' اس لئے دوسرا حکم باقی رہے گا' یعنی مجرم کے مال پر دیت عائد ہو گی۔

جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مجنون یا بچے کا کسی کو عمداً قتل کر دینا قتل خطاء متصور ہو گا' کیونکہ عمد (یعنی ارادہ) نتیجہ ہوتا ہے علم اور عقل کا جبکہ مجنون عقل سے محروم ہوتا ہے اور بچہ ناقص العقل ہوتا ہے' اس لئے ان دونوں کا ارتکاب جرم میں "قصد" (یعنی ارادہ) یا تو بالکل نہیں ہوتا یا جیسا کہ بعض دیگر فقہاء کی رائے ہے' قصد کامل نہیں ہوتا۔ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ قتل عمد کی دیت کسی صورت میں عاقلہ پر عائد نہیں ہوتی' خواہ وہ قتل عمد ہو جس میں پہلے قصاص لازم ہوا ہو اور پھر کسی وجہ سے قصاص ساقط ہو کر دیت میں بدل گیا ہو جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب ولیٔ مقتول مجرم کو معاف کر دے یا قتل عمد کی ایسی صورت ہو جس میں قصاص کی بجائے ابتدا ہی میں دیت واجب ہوتی ہے۔ (۶۵) جیسا کہ جائفہ اور آمہ قسم کے زخم پہنچانے یا ران توڑ دینے کے جرائم میں ہوتا ہے (۶۶)۔اس معاملے میں مالکیہ کی رائے مختلف ہے۔ ان کے نزدیک ایسے تمام جرائم کی دیت عاقلہ پر ہوگی جن میں قصاص نہ ہو خواہ ان جرائم کا ارتکاب غلطی سے کیا گیا ہو یا عمداً ایسا ہوا ہو' اور خواہ ان میں شریعت نے دیت کی کوئی مقدار مقرر کی ہو یا نہ کی ہو۔(۶۷)ان کی دلیل یہ ہے کہ ایسے جرائم میں دیت خود قتل سے ثابت ہوتی ہے' اس لئے یہ دیت قتل خطا کی دیت سے مشابہ ہے۔ لیکن جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ عمداً ارتکاب جرم کی دیت کا بار عاقلہ پر عائد نہیں ہوتا کیونکہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"ان جرائم میں دیت عاقلہ پر عائد نہیں ہوگی جن کا ارتکاب عمداً کیا گیا ہو' یا کسی غلام نے کیا ہو یا جن میں مصالحت ہو گئی ہو' نیز وہ جرم جو اقرار سے ثابت ہوئے ہوں۔ علاوہ ازیں' جرم خطا میں عاقلہ پر دیت عذر کی بناء پر اس غرض سے عائد ہوتی ہے کہ مجرم کے بوجھ میں کمی کی جائے' نیز اس سے ہمدردی کا اظہار کیا جائے۔ لیکن عمداً ارتکاب جرم میں چونکہ کوئی عذر موجود

نہیں ہوتا' لہٰذا عاقلہ پر اس کی دیت عائد ہونے کا کوئی تقاضا موجود نہیں ہوتا۔(۴۸)

شبہ عمد کے بارے میں فقہی اختلاف

شبہ عمد سے مراد ایسا فعل ہے جس کا ارتکاب جرم میں ارادہ کیا گیا ہو مگر اس کے نتیجے میں جو وقوعہ پیش آیا اس کا ارادہ نہ ہو۔ اس کی عام مثال یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی کو صرف سزا کے ارادے سے ضرب لگائے لیکن اس ضرب سے اس کی موت واقع ہو جائے۔ قانون وضعی کے ماہرین اس صورت کو "متعدی ارادے والا جرم" کہتے ہیں۔ بہرحال اسلامی فقہ میں ایسے جرائم کی نسبت جنہیں "شبہ عمد" کہا جاتا ہے' متعدد پہلوؤں سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں پہلا اختلاف جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس جرم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اکثر فقہاء اسے جرم کی ایک صورت تسلیم کرتے ہیں مگر بعض فقہاء اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے ۔ دوسرا اختلاف اس کی مختلف صورتوں سے متعلق ہے۔ چنانچہ بعض فقہاء کے نزدیک اس مسئلے میں توسیع (وسعت۔ کشادگی) پائی جاتی ہے (یعنی قتل کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جنہیں شبہ عمد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے) جب کہ دیگر فقہاء کے نزدیک یہ موضوع زیر بحث ہے کہ بار دیت کس پر عائد ہوتا ہے یہی آخری صورت ہمارے موضوع سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ شبہ عمد کی دیت کا بار عاقلہ پر عائد ہو گا۔ یہی رائے امام شعبیؒ ' امام نخعیؒ' امام حکمؒ' امام سفیان ثوریؒ' امام اسحاقؒ اور ابن منذرؒ کی ہے۔(۴۹) لیکن امام ابن سیرینؒ' امام زہریؒ' امام حارثؒ العکلی' ابن شبرمہ' قتادہ اور ابو ثور یہ سمجھتے ہیں کہ شبہ عمد کی دیت مجرم کے مال سے ادا کی جائے گی' کیونکہ یہ دیت اسی کے فعل کے نتیجے میں لازم ہوئی ہے۔ لہٰذا عاقلہ یہ دیت ادا نہ کرے گی۔ یہی صورت مسلک مالکی میں بھی ہے' کیونکہ امام مالکؒ کے نزدیک شبہ عمد کا جرم ان جرائم میں داخل ہے جن

کا ارتکاب عمداً کیا گیا ہو۔ اس سلسلے میں جمہور فقہاء کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ قبیلہ ھذیل کی دو عورتوں میں جھگڑا ہوا تو ایک نے دوسری کو پتھر مارا جس سے اس کے پیٹ کا بچہ ہلاک، ہو گیا۔ اس پر حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ مقتولہ کی دیت اس عورت کی عاقلہ ادا کرے جس نے اسے قتل کیا ہے۔ یہ حدیث اس مسئلے میں واضح نص کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں جمہور فقہاء کی دوسری دلیل یہ ہے کہ شبہ عمد میں قاتل معذور ہوتا ہے' کیونکہ اس کا ارادہ قتل کا نہیں ہوتا' بلکہ جرم قتل کا وقوع اس کے فعل کے نتیجے میں غیر اختیاری طور پر ہوتا ہے۔ گویا یہ فعل قتل خطاء کے مشابہ ہوتا ہے' اس لئے اس میں قصاص لازم نہیں ہو گا بلکہ دیت واجب ہو گی جو عاقلہ ادا کرے گی۔

عاقلہ ایسی دیت ادا نہیں کرے گی جو مصالحت یا اعتراف جرم کی صورت میں واجب قرار پائے

یہ ایک متفقہ اصول ہے کہ مصالحت یا اعتراف جرم کی صورت میں عائد ہونے والی دیت کا بار عاقلہ پر نہیں ہو گا۔ اس اصول کی بنیاد وہ حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مندرجہ ذیل جرائم میں دیت عاقلہ پر عائد نہیں ہو گی یعنی (۱) ایسا جرم جس کا ارتکاب عمداً کیا گیا ہو۔ (۲) ایسا جرم جو کسی غلام سے سرزد ہوا ہو۔ (۳) ایسا جرم جس میں مصالحت ہو گئی ہو۔ اور (۴) وہ جرم جو اقرار سے ثابت ہوا ہو۔ (۷۰) دیت کا حکم اس جرم میں دیا گیا ہے جو غلطی سے سرزد ہوا ہو' نہ کہ اس جرم میں جس کا ارتکاب عمداً کیا جائے۔ کیونکہ جرم عمد کی دیت کسی حال میں عاقلہ پر عائد نہیں ہوتی' خواہ جرم بینہ (گواہی ۔ ثبوت) سے ثابت ہوا ہو' خواہ اقرار یا لوث سے ' بہرحال جمہور فقہاء کے نزدیک شبہ عمد کا حکم وہی ہے جو خطا کا ہے۔

مصالحت کا حکم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر قتل کا دعویٰ کرے اور مدعا علیہ

اگرچہ اس کا انکار کرے لیکن اس کے باوجود وہ مدعی سے مال کی ادائیگی پر صلح کر لے۔ اعتراف کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے بارے میں قتل خطا کے ارتکاب کا اقرار کرے اور اس کے اس اقرار سے اس پر دیت عائد ہو جائے۔ ہر دو صورتوں یعنی مصالحت اور اقرار کی صورت میں عائد ہونے والی اس دیت کی ادائیگی عاقلہ کی ذمہ داری نہیں ہو گی' اگرچہ اقرار کرنے والا یا صلح کرنے والا شخص عادل اور امین ہو۔ سوائے اس کے کہ عاقلہ اپنی خوشی سے اس کی اعانت کرے یا اس کے اقرار کی تصدیق کر دے' ایسی صورت میں دیت عاقلہ پر عائد ہو گی۔ مصالحت اور اعتراف کی صورت میں دیت عاقلہ پر لازم نہ ہونے کی وجہ سے عاقلہ سے متعلق مجرم کا قصور ولایت ہے۔ عاقلہ کے افراد اگرچہ قتل خطا میں مجرم کا بار دیت برداشت کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ خطاء اس طرح ثابت ہو کہ بد گمانی اور تہمت کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ اس لئے محض اقرار یا مصالحت سے عاقلہ پر جرم خطا کی دیت عائد نہ ہوگی' کیونکہ اس صورت میں مجرم عاقلہ کے بارے میں متہم ہو گا۔ مجرم کی مصالحت کے نتیجے میں عاقلہ پر دیت عائد ہونے کا مطلب یہ ہو گا کہ مجرم نے دوسرے کے مال کے بارے میں صلح کر لی ہے۔ یہی صورت مجرم کے اقرار کی ہے کہ اگر عاقلہ کے حق میں اس اقرار کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ غیر کے اقرار سے ان پر دیت عائد ہو جائے گی حالانکہ کسی شخص کا اقرار دوسرے کے بارے میں قابل قبول نہیں ہوتا' کیونکہ اس صورت میں یہ الزام آسکتا ہے کہ اقرار کرنے والے نے عاقلہ سے دیت وصول کرکے آپس میں تقسیم کرنے کے لئے کوئی منصوبہ بنایا ہے(۱۷)۔

عام فقہاء کی رائے یہ ہے کہ چونکہ مجرم کے اقرار سے دیت عاقلہ پر عائد نہیں ہوتی' اس لئے وہ خود مجرم پر عائد ہوگی اور اس کے مال سے ادا کی جائے گی کیونکہ

مجرم نے خود اپنے خلاف ایسے جرم کا اعتراف کیا ہے جس سے اس پر مالی تاوان لازم آتا ہے۔ اس معاملے میں اس کا اقرار اسی طرح صحیح ہو گا جیسے اس کا اقرار اس صورت میں صحیح ہوتا جب وہ کسی مال کو ضائع کرنے کا اعتراف کرتا یا ایسے جرم کے بارے میں اقرار کرتا جس کی دیت عاقلہ پر نہیں آتی۔ مزید یہ کہ اس کا اقرار ایک ایسے معاملے سے متعلق ہے جس میں ضمان (تاوان) لازم آتا ہے۔ اس لئے اس کے اقرار سے یہ ضمان بھی اسی طرح لازم ہو جائے گا جس طرح کسی مالی واجب کے اقرار سے اس کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے۔ متفقہ صورت میں مجرم سے دیت اس لئے ساقط ہوئی ہے کہ عاقلہ یہ دیت ادا کرے۔ اگر عاقلہ دیت ادا نہ کرے تو یہ خود مجرم پر عائد ہو جائے گی۔ ابو ثور اور ابن عبدالحکم کی رائے یہ ہے کہ مجرم پر کوئی شے لازم نہیں ہے' اور نہ اس کا اقرار صحیح ہے کیونکہ اس کا اقرار اپنے خلاف نہیں ہے بلکہ دوسروں کے خلاف ہے۔ نیز اس کے اقرار سے جو امر ثابت ہونا چاہئے وہ ثابت نہیں ہوا' اس لئے یہ اقرار باطل ہو گا۔ جیسے کوئی شخص کسی غیر کے بارے میں اقرار کرے کہ اس نے قتل کیا ہے (۴۷)۔(تو ایسے اقرار کا کوئی فائدہ نہ ہو گا)۔

دیت کی وہ مقدار جو عاقلہ پر عائد ہو گی

امام شافعیؒ کا حتمی قول یہ ہے کہ عاقلہ پوری دیت ادا کرے گی' خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔ چنانچہ مجرم کی خطا کے نتیجے میں جو دیت عائد ہو گی وہ اس کی عاقلہ پر واجب ہو گی' خواہ وہ پوری دیت ہو یا اس کا کوئی حصہ۔ اس رائے کی بنیاد اس قیاس پر ہے کہ چونکہ عاقلہ کامل دیت کی ادائیگی کا بار اٹھاتی ہے اس لئے لامحالہ دیت کے حصے کا بار بھی اسی کو اٹھانا ہو گا۔ اسی طرح جو جان کی دیت کا بار برداشت کرے گا وہی زخموں کی دیت کا بوجھ بھی اٹھائے گا۔ نیز چونکہ عاقلہ عمد اور شبہ العمد کی دیت اس لئے ادا کرتی ہے کہ مجرم پر مالی بوجھ نہ پڑے تو یہ بات قتل کے علاوہ دیگر جرائم میں بھی موجود

ہے۔ (۷۳)

جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ عاقلہ مجرم کی دیت صرف اس صورت میں ادا کرے گی جب دیت مالی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہو' یعنی اس کی مقدار زیادہ ہو' کیونکہ اصلاً دیت مجرم پر عائد ہوتی ہے' اور عاقلہ اس کا بار اس لئے اٹھاتی ہے کہ مجرم کا پورا مال دیت کی ادائیگی میں صرف نہ ہو جائے۔ گویا عاقلہ دیت کا بار اس صورت میں اٹھائے گی جب اس کی مالیت زیادہ ہو' اگر کم ہو تو مجرم خود اپنی دیت ادا کرے گا' اور عاقلہ پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو گی۔ حنفی فقہاء کے نزدیک دیت کی وہ مقدار زیادہ سمجھی جائے جو شریعت میں مقرر کی گئی ہے۔ چنانچہ شریعت کی مقرر کردہ دیتوں میں سب سے کم موضحہ کا ارش ہے (۷۴)۔ جس کی مالیت دیت کا بیسواں حصہ (نصف عشر) ہے۔ یعنی اگر دیت کی مقدار اتنی (دیت کا بیسواں حصہ) یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی ادائیگی عاقلہ پر ہو گی۔ لیکن اگر اس سے کم ہو تو مجرم خود دیت ادا کرے گا۔ اس کی دلیل حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث ہے کہ آپؐ نے جنین (یعنی رحم میں موجود بچے) کے غرہ (دیت) کی ادائیگی عاقلہ پر عائد کی۔ غرہ دیت کے نصف عشر کے برابر ہوتا ہے۔ نیز حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً اور مرفوعاً روایت ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان جرائم میں دیت عاقلہ پر عائد نہیں ہوتی یعنی: ایسا جرم جس کا ارتکاب عمداً کیا گیا ہو' ایسا جرم جس کا ارتکاب کسی غلام نے کیا ہو' ایسا جرم جس میں مصالحت ہو گئی ہو' اور وہ ایسا جرم جو اقرار سے ثابت ہوا ہو۔ اسی طرح موضحہ سے کم درجے کے زخموں کا ارش بھی عاقلہ پر عائد نہیں ہوتا' اور موضحہ کا ارش جان کی دیت کا نصف ارش ہوتا ہے(۷۵)۔

اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر جان کی دیت کی مالیت ایک تہائی ہو تو اسے زیادہ کہا جائے گا۔ تاہم عاقلہ دیت کی ادائیگی کا بوجھ اس صورت میں اٹھائے گی جب

اس کی مقدار ایک تہائی سے زیادہ ہو' اس سے کم ہونے کی صورت میں دیت کی ادائیگی مجرم کی ذمہ داری ہوگی۔

عاقلہ کی جانب سے ثلث دیت کی ادائیگی کے بارے میں بھی فقہائے کرام کے مابین اختلاف ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ بوجھ عاقلہ برداشت نہیں کرے گی۔ جب کہ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ عاقلہ یہ بار برداشت کرے گی' ان کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ عاقلہ صرف وہ دیت ادا کرے گی جس کی مقدار مامومہ کی دیت کے برابر ہو۔ مامومہ یا آمہ زخم کی دیت ثلث (ایک تہائی) ہے۔ نیز اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ ضمان مجرم کی جنایت (جرم 'گناہ) اور اس کے فعل کے نتیجے میں واقع ہونے والے اتلاف سے لازم ہوا ہے وہ اسی پر عائد ہو اور جس طرح تمام نقصانات اور جنایات (جرائم) کا ضمان مجرم پر عائد ہوتا ہے' اس طرح ضمان بھی اسی پر عائد ہو۔ ایک تہائی اور اس سے زائد دیت کا بار مجرم پر اس لئے نہیں ڈالا گیا کہ اس کا بوجھ کم رہے اور وہ اس مالی بوجھ کے نیچے دب کر نہ رہ جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک تہائی بھی بہت ہے۔ لہٰذا ایک تہائی سے کم دیت اپنی اصل اور دلیل کے مطابق مجرم ہی پر عائد ہوگی۔ مندرجہ بالا حدیث نبوی کہ ثلث زیادہ ہے' امام زہریؒ کی مذکورہ بالا رائے کے خلاف حجت ہے(۷۶) کہ یہ بار عاقلہ برداشت نہیں کرے گی۔

مالکی فقہاء کے نزدیک مجرم اور مقتول یا مجروح میں سے جس کی جان کی دیت کم ہو' اس کے ایک ثلث (تہائی) کا اعتبار ہوگا۔ یعنی اگر کسی مسلمان نے کسی مجوسی کو غلطی سے قتل کر دیا یا اس کو ایسا زخم لگا دیا جس کی دیت ایک ثلث دیت ہو تو مجرم کی عاقلہ وہ دیت ادا کرے گی جو اس مسلمان یا اس کے اولیاء پر واجب ہے' اگرچہ وہ مسلمان مجرم کی ثلث دیت سے کم ہو کیونکہ مالکی فقہاء کے نزدیک مجوسی کی دیت آزاد

مسلمان کی دیت کے تہائی کا پانچواں حصہ (۱/۵) ہوتی ہے۔ اور ان کے نزدیک مجوسی عورت کی دیت اس کا نصف ہے۔ اور اگر کوئی مجوسی کسی مسلمان پر ایسی زیادتی (جنایت) کرے جس کی دیت مسلمان کی دیت کے ثلث سے کم ہو لیکن خود مجوسی کی دیت کے ثلث کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو' اگرچہ مجنی علیہ (مجروح) کی دیت کے ثلث کے برابر نہ ہو تو مجوسی کی عاقلہ یہی دیت ادا کرے گی (۷۷)۔

فقہاء حنابلہ کے نزدیک دیت کا ثلث معلوم کرنے کا معیار مسلمان آزاد مرد کی دیت ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک عاقلہ عورت کی وہ دیت ادا کرے گی جو وہ آزاد مسلم مرد کی دیت کے تہائی کے برابر ہو مثلاً عورت کی ناک کی دیت۔ اس سے کم دیت مثلاً ہاتھ کی دیت کی ادائیگی عاقلہ پر عائد نہیں ہوگی اور یہی حکم کتابی(کسی الہامی کتاب کا ماننے والا غیر مسلم) کی دیت کا ہے(۷۸)۔ اسی طرح حنابلہ کے نزدیک چونکہ مجوسی کی دیت مسلمان کی دیت کے ثلث سے کم ہے اس لئے اس کی ادائیگی عاقلہ نہیں کرے گی۔ اسی طرح اس کے نزدیک' اگر جنین پیٹ ہی میں مرجائے یا ماں کی موت سے پہلے اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کی دیت کی ادائیگی عاقلہ کی ذمہ داری نہیں ہوگی(۷۹)۔

اگر کسی ایک جرم میں عاقلہ کی تعداد ایک سے زائد ہو تو ایسی صورت میں مالکی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ہر عاقلہ پر جس قدر دیت عائد ہوگی اس کی ادائیگی اسکی ذمہ داری ہوگی اگرچہ وہ ثلث (ایک تہائی) سے کم ہو۔ مثلاً اگر مختلف قبیلوں کے دس آدمی ایک شخص کو خطاً قتل کر دیں تو اس میں سے ہر ایک کی عاقلہ دیت کا دسواں حصہ ادا کرے گی اور مجرم کوئی دیت ادا نہیں کرے گا(۸۰) کیونکہ مالکیہ کے نزدیک اعتبار دیت کی اس مجموعی مقدار کا کیا جائے گا جو کسی جرم میں واجب قرار پاتی ہے اور دیت کی اس علیحدہ علیحدہ مقدار کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو ہر مجرم پر جدا جدا

عائد ہوتی ہے۔ یعنی اگر کسی جنایت (جرم) کی دیت ایک ثلث یا اس سے زائد ہو تو یہ دیت عاقلہ ادا کرے گی خواہ عاقلہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ۔ اس رائے کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر ایک جنایت کے نتیجے میں متعدد ارش لازم آجائیں جن میں سے ہر ایک کی مقدار کم سے کم ہو لیکن مجموعی مقدار ثلث سے زیادہ ہو تو عاقلہ ہر ایک پر عائد ہونے والی ارش کی مقدار کی ادائیگی کرے گی۔ لیکن اگر جرم متعدد ہوں اور ہر ایک جرم دوسرے سے جدا اور مستقل ہو تو عاقلہ ان میں سے صرف وہ دیت ادا کرے گی جو ثلث تک پہنچ جائے اور ثلث سے کم دیت خود مجرم برداشت کرے گا۔ خواہ مجموعی طور پر دیت کی مقدار ثلث کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جائے کیونکہ اس پر ان دیتوں کا بار ایک جرم کے نتیجے میں نہیں بلکہ متعدد جرائم (جنایات) کے نتیجے میں عائد ہوا ہے۔

خودکشی کی دیت عاقلہ پر عائد نہیں ہوگی

فقہاء کا اس مسئلے پر اتفاق ہے کہ خودکشی کی دیت عاقلہ پر عائد نہیں ہوگی۔ لیکن اگر کوئی شخص غلطی سے اپنی جان پر ایسی زیادتی کر بیٹھے جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو جائے یا اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو ضائع ہو جائے تو بیشتر فقہاء کے نزدیک اس کی یہ جنایت (جرم، گناہ، غلطی) بھی رائیگاں جائے گی اور عاقلہ پر کچھ لازم نہیں آئے گا۔ یہ رائے امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی ہے۔ صحیح روایت کے مطابق امام احمدؒ کی بھی رائے یہ ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خیبر کی جنگ میں عامر بن اکوع نے مرحب کو دعوت مبارزت دی تو خود ان کی تلوار پلٹ کر انہی کو آ لگی جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ مگر حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دیت ادا کیے جانے کا فیصلہ نہیں فرمایا۔ نیز یہ کہ اپنے نفس کے خلاف زیادتی (جنایت) کرنے والے کا جس طرح

عمد میں ضمان نہیں ہے' اسی طرح خطا میں بھی نہیں ہے۔ مزید یہ کہ عاقلہ پر دیت مجرم کی مواسات اور تخفیف کے لئے عائد ہوتی ہے جب کہ اس صورت میں ایسا کوئی پہلو موجود نہیں ہے جس کی بناء پر مجرم کی مدد اور اس سے ہمدردی ظاہر کی جائے۔ لہٰذا اس صورت میں مجرم کی دیت لازم ہونے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ (۸۱)

بہرحال اسلامی فقہ میں ایک اور رائے بھی موجود ہے' اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غلطی سے اپنی جان کے ضیاع کا باعث بن جائے یا اپنے آپ کو کوئی ایسا نقصان پہنچا بیٹھے جس کا ارش ثلث دیت کے برابر ہو تو یہ دیت عاقلہ ادا کرے گی۔ امام اوزاعیؒ اور امام اسحاقؒ کی یہی رائے ہے۔ نیز امام احمدؒ کے مسلک کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اس رائے کی بنیاد اس روایت پر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ایک شخص اپنے گدھے کو ہانک کر لے جا رہا تھا' اس کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا' وہ اس نے گدھے کو مارا تو اس کا سرا اچٹ کر اس کی آنکھ میں آلگا جس سے اس کی آنکھ نکل گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی دیت اس کی عاقلہ پر عائد کی اور فرمایا کہ یہ ایک مسلمان کا ہاتھ تھا جس نے کسی پر عمداً زیادتی نہیں کی۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے حضرت عمرؓ کی اس رائے سے اختلاف نہیں کیا۔ چونکہ یہ جنایت (جرم) غلطی سے سرزد ہوئی لہٰذا اس کی دیت جانی (یعنی خطا کار) کی عاقلہ پر عائد ہو گی۔ اسی طرح اگر وہ کسی کو قتل کر دیتا تو اس کی دیت عاقلہ پر عائد ہوتی۔ اسی اصول کے مطابق ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر عاقلہ کے افراد مجرم کے وارث بھی ہوں تو ان پر کچھ واجب نہیں ہو گا کیونکہ انسان پر خود اس کے اپنے حق میں کوئی شے لازم نہیں ہوتی۔ اور اگر ان میں سے بعض افراد وارث ہوں تو ان کے حصے کے بقدر دیت ساقط ہو جائے گی اور جو دیت حصے سے زائد ہو گی وہ انہیں ادا کرنا پڑے گی۔ اسی طرح اگر میراث میں کسی کا حصہ دیت کے حصے سے زیادہ ہو گا تو وہ اسے مل جائے گا۔(۸۲)

عاقلہ پر عائد ہونے والی دیت کی اقساط

فقہائے کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عاقلہ پر عائد ہونے والی دیت تین سال پر تقسیم کی جائے گی۔ اس بارے میں کوئی نص تو موجود نہیں' البتہ عمل صحابہؓ منقول ہے۔ چنانچہ راویت ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے یہی فیصلہ کیا اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی' لہٰذا فقہاء نے اسی کو اختیار کر لیا۔ (۸۳) امام قرطبی کا بیان ہے کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیت کی یک مشت اور فوری ادائیگی کا اہتمام فرماتے تھے تاکہ مصالحت قائم ہو جائے اور معاملات درست ہو کر تالیف قلوب کی صورت پیدا ہو جائے۔ لیکن جب اسلام غالب آگیا اور معاملات پر مسلمانوں کا کنٹرول ہو گیا تو صحابہ کرامؓ نے قسطوں کا نظام قائم فرمایا۔(۸۴) فقہائے کرام نے اقساط میں دیت کی ادائیگی کی یہ توجیہہ بھی کی ہے کہ چونکہ عاقلہ پر دیت بطور مواسات (ہمدردی) عائد ہوتی ہے' اس لئے اس کی ادائیگی زکوٰۃ کی طرح فوری نہیں ہونی چاہئے۔ غرض' جو دیت عاقلہ پر عائد ہو گی وہ مؤجل (بعد میں ادا ہونے والی) ہو گی اور اس کے سوا جو دیت ہو گی اس کی فوراً ادائیگی لازمی ہو گی' کیونکہ مجرم پر عائد ہونے کی صورت میں دیت اس اتلاف کا بدل بن جاتی ہے جو مجرم کی جانب سے واقع ہوا۔ لہٰذا اس کا فوری طور پر ادا کرنا ضروری ہے جیسے اگر کوئی شخص کسی کی کوئی چیز تلف کر دے تو اس کی قیمت اسی وقت ادا کرنا لازم ہے۔ بہر حال جو دیت عاقلہ پر عائد ہوتی ہے وہ چونکہ بطور مواسات ہے اس لئے اس میں بطور تخفیف تأجیل (یعنی قسطوں میں ادائیگی) کی اجازت ہے۔ کیونکہ جس طرح دیت اصلی مجرم پر عائد ہونے کے بجائے عاقلہ پر عائد ہوتی ہے اسی طرح فوری ادائیگی کے اصول سے ہٹ کر اس کے لئے قسطیں مقرر کی جاتی ہیں۔(۸۵)

فقہائے کرام کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اگر عائد ہونے والی دیت مکمل ہو' یعنی

آزاد مسلمان مرد کی پوری دیت واجب قرار پائی ہو تو اسے تین سال پر تقسیم کیا جائے گا اور ہر سال ایک تہائی ادا کی جائے گی خواہ جان کی دیت ہو یا آنکھوں اور کانوں کی دیت کی طرح اعضاء کی دیت ہو۔ لیکن اگر دیت کامل نہ ہو بلکہ اس کا کچھ حصہ ہو تو یہ مسئلہ کسی قدر تفصیل کا محتاج ہے۔

جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر دیت ثلث تک ہو' جیسے آمہ اور جائفہ زخموں کی دیت تو ایک تہائی پہلے سال کے آخر میں ادا کی جائے گی اور باقی سدس (یعنی چھٹا حصہ ۱/۶) دوسرے سال کے آخر میں ادا کیا جائے گا۔ اور اگر دیت دو ثلث سے زیادہ ہو تو دو ثلث دو سال میں اور باقی تیسرے سال کے آخر میں ادا کی جائے گی۔(۸۶) جہاں تک دیت ناقصہ مثلاً عورت کی دیت اور کتابی کی دیت (بعض فقہاء الہامی کتابوں کے ماننے والوں اور مسلمانوں کے مابین فرق کرتے ہیں اور کتابی کی دیت نصف قرار دیتے ہیں) کا تعلق ہے تو اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جان کا بدل ہونے کے اعتبار سے اس پر کامل دیت کے حکم کا اطلاق ہو گا جو تین ثلث کی صورت میں تین سال پر تقسیم ہو گی۔ بعض فقہاء کے نزدیک اس پر اعضاء کے ارش کا حکم جاری ہو گا یعنی پہلے سال میں کامل دیت کے ثلث کے برابر دیت کی ادائیگی ہو گی اور باقی دوسرے سال میں ادا کی جائے گی۔(۸۷)

اگر ایک ہی جنایت(جرم) میں متعدد عاقلہ ہوں جیسے دس افراد مل کر کسی شخص کو غلطی سے یا شبہ عمد کی صورت میں قتل کر دیں تو ان پر ایک ہی دیت عائد ہو گی اور ان میں سے ہر ایک کی عاقلہ دیت کا دسواں حصہ تین سال میں ادا کرے گی' یعنی جزو کو کل پر قیاس کیا جائے گا۔ عاقلہ پر جو دیت عائد ہوتی ہے وہ تین سال میں ادا ہونے والی دیت کا جزو ہوتی ہے لہٰذا دیت کے مؤجل ہونے کے ساتھ اس کا ہر جزو

مؤجل ہو جائے گا کیونکہ جزو کسی وصف میں کل کا مخالف نہیں ہوتا۔ اس لئے متفقہ رائے یہ ہے کہ ایک ہی جنایت (جرم) میں متعدد عاقلہ پر عائد ہونے والی دیت کا اقساط کے اعتبار سے وہی حکم ہو گا جو ایک عاقلہ پر عائد ہونے والی دیت کا ہے خواہ دیت کی مقدار کچھ ہو۔(۸۸)

اگر متعدد جنایات (جرائم) کی وجہ سے ایک عاقلہ پر متعدد دیتیں عائد ہو جائیں تو ہر دیت تین سال پر تقسیم کی جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عاقلہ ہر سال کے آخر میں عائد ہونے والی تمام دیتوں کی وہ قسطیں ادا کرے گی جنکی ادائیگی اس پر لازم ہو گی۔ اور اس صورت میں مجرم کے ایک ہونے یا مجنی علیہ (شخص متضرر Victim) کے ایک ہونے یا ان کے مختلف ہونے سے کوئی فرق واقع نہیں ہو گا۔ (۸۹)

اگر ایک عاقلہ پر ایک مجنیٰ علیہ (Victim) یا کئی مجنیٰ علیہ پر کی گئی ایک ہی جنایت (جرم) کے نتیجے میں کئی دیتیں عائد ہو جائیں مثلاً مجرم کسی کو ایسی ضرب لگائے جس سے اس کی قوت گویائی' سماعت اور بصارت جاتی رہے یا اس کے ایک تیر (یا گولی) چلانے سے دو افراد مرجائیں تو اس بارے میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا تمام دیتوں کی ادائیگی تین سال کے عرصے میں لازم ہو گی' اس طرح کہ عاقلہ ہر سال کے اختتام پر ہر دیت کا ایک ثلث ادا کرے گی۔ یا سال کے اختتام پر ایک دیت کاایک ثلث عائد ہو گا۔ اور اس طرح مختلف دیتوں کے حساب سے تمام دیتیں چھ سال میں یا نو سال میں ادا ہوں گی۔ تکملۃ المجموع فی شرح المہذب میں لکھا ہے کہ اگر عاقلہ پر ایک جنایت (جرم) کے نتیجے میں دو دیتیں لازم آجائیں اور یہ دیتیں دو مجنیٰ علیہ (Victims) کی ہوں تو عاقلہ ہر سال ہر دیت کا ایک ثلث ادا کرے گی۔ یہ رائے عراقی اساتذہ نے نقل کی ہے۔ اس مسئلے میں خراسانی کی رائے یہ ہے کہ اس میں دو صورتیں ہیں: پہلی صورت جو زیادہ صحیح ہے یہ ہے کہ عاقلہ ہر مجنیٰ علیہ

(Victim) کی ثلث دیت ہر سال ادا کرے گی اور دوسری صورت یہ ہے کہ عاقلہ ہر سال ایک مجنی علیہ کی ثلث دیت ادا کرے گی۔ اور اگر دونوں دیتیں ایک ہی مجنی علیہ (Victim) کی ہوں مثلاً کسی شخص کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں قطع کر دیے گئے ہوں تو عاقلہ ہر سال ایک ثلث کی ادائیگی کرے گی اور اس طرح چھ سال میں دیت کی ادائیگی مکمل ہو گی۔ یہ عراقی فقہاء کی رائے ہے۔ لیکن خراسانی فقہاء کہتے ہیں کہ اس میں دو صورتیں ہیں: ایک یہی جو اوپر مذکور ہوئی اور دوسری یہ کہ عاقلہ دونوں دیتوں کی ادائیگی تین سال میں مکمل کرے گی۔(۹۰) گذشتہ بیان کا ماحصل یہ ہے کہ اس مسئلے میں دو آراء ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ جنایت (جرم) کے ایک ہونے کی بناء پر متعدد دیتیں ایک ہی دیت کے حکم میں ہوں گی اور سب کی ادائیگی تین سال میں لازم ہوگی۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ایک سال میں ایک دیت کی ثلث سے زائد دیت عائد نہیں ہو گی' کیونکہ ایک سال میں عاقلہ ایک جرم کی دیت برداشت کرے گی' یعنی اس کی آخری حد ایک ثلث ہے۔

اس امر میں بھی فقہاء کے مابین اختلاف ہے کہ تین سال کا آغاز کب سے شمار کیا جائے گا۔ حنبلی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ دیت مال موجل ہے جس کی مدت کا آغاز دین مؤجل کی طرح اس وقت سے ہونا چاہئے جس وقت وہ لازم ہوا ہے۔ غرض دیت اسی وقت لازم ہو جاتی ہے جس وقت دیت کا سبب وجود میں آتا ہے۔ چنانچہ اگر جان کی دیت ہے تو وہ اسی وقت سے واجب ہو گی جس وقت مقتول کی موت واقع ہوئی خواہ مقتول کو براہ راست قتل کیا گیا ہو یا وہ زخم کی سرایت کی وجہ سے مر گیا ہو۔ البتہ زخموں کی دیت میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اگر زخم ایسا ہو جو بغیر سرایت کیے اچھا ہو گیا مثلاً کسی کا ہاتھ کاٹا گیا ہو اور وہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ٹھیک ہو گیا ہو تو دیت کی ادائیگی کے لئے مدت کا آغاز ہاتھ کاٹنے کے وقت سے ہو گا کہ یہی دیت کی ادائیگی

کا وقت ہے اور اگر زخم سرایت کر گیا ہو' مثلاً انگلی کاٹی گئی ہو اور اس کا زخم سرایت کرکے ہتھیلی تک پہنچ گیا ہو تو دیت کی ادائیگی کی مدت کا آغاز ہاتھ کے صحیح ہو جانے کے وقت سے ہو گا کیونکہ یہی جرم کی مستقل کیفیت کے ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ زخم خواہ کسی قسم کا ہو' دیت کی ادائیگی کی مدت کا آغاز زخم کے مندمل ہو جانے کے وقت سے ہو گا۔ (۹۱) اس باب میں شافعی مسلک' حنبلی مسلک سے قریب تر ہے۔(۹۲)

حنفی اور مالکی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ادائے دیت کی مدت کا آغاز ارتکاب جنایت (جرم) یا اس کے اس قرار سے نہیں ہو گا بلکہ اس کا آغاز عدالتی فیصلے کے وقت سے ہو گا۔(۹۳) فتح القدیر میں اس رائے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ نص صریح کے مطابق تلف ہونے والی اشیاء کا ضمان (تاوان) مثل ہوتا ہے اور جان کا مثل جان ہی ہے۔ لیکن جب معاملہ قاضی کے سامنے پیش ہو جائے اور خطاء ہونے کی بنا پر جان کے بدلے جان کا اصول جاری نہ ہو تو عدالتی فیصلے کے ذریعے قصاص کی سزا مال سے بدل جائے گی۔ چنانچہ دیت کی ادائیگی کی مدت کا آغاز عدالتی فیصلے کے وقت سے ہونا چاہئے۔(۹۴)

افراد عاقلہ کی کم سے کم تعداد اور ہر ایک پر عائد ہونے والی دیت کی مقدار

اصول یہ ہے کہ عاقلہ پر جو دیت عائد ہو گی وہ اس کے تمام افراد پر تقسیم کر دی جائے گی اور ہر فرد کے ذمہ جو حصہ آئے گا اس کی ادائیگی اس کے لئے لازم ہو گی بشرطیکہ اس کا ادا کرنا اس کے لئے گراں اور دشوار نہ ہو کیونکہ عاقلہ پر دیت بطور مواسات (ہمدردی) اور مجرم سے تخفیف کے لئے عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا مجرم کے لئے یہ تخفیف اس طرح نہیں ہونی چاہئے کہ یہ اس شخص کے لئے بوجھ بن جائے جس نے

کوئی جرم نہیں کیا۔ اگر شریعت کا مقصد بوجھ ڈالنا ہوتا تو یہ خود مجرم پر ڈالا جاتا کیونکہ وہ اس کا مکلّف تھا۔ اور یہ سزا دراصل اسی کے فعل کے نتیجے میں لازم ہوئی۔ اگر شریعت یہ نہیں چاہتی کہ مجرم پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ ڈالا جائے تو وہ یہ کیسے پسند کر سکتی ہے کہ دوسرے لوگوں پر اتنا بوجھ ڈالا جائے جسے وہ اٹھا نہ سکیں۔(۹۵) تاہم اس اصول کو تسلیم کرنے کے باوجود فقہائے کرام کے مابین اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا اس اصول کے پیش نظر عاقلہ کے ہر فرد پر آنے والی دیت کی مقدار میں از سر نو کوئی تبدیلی کی جا سکتی ہے؟ اس سلسلے میں اختلاف کی اساس دراصل یہ امر ہے کہ عاقلہ کے ہر فرد پر جو حصہ عائد کیا گیا ہے' کیا وہ شریعت کے مطابق ہے؟ اگر یہ حصہ شریعت کے مطابق مقرر کیا گیا ہے تو اس کی مقدار کیا ہے؟ اور کیا یہ مقدار عاقلہ کے تمام افراد پر یکساں عائد ہو گی یا ان کی مالی حیثیت یعنی خوش حالی اور تنگ دستی کے پیش نظر اس میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے؟

امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ عاقلہ کے افراد پر دیت کا اتنا ہی حصہ عائد ہو گا جتنا وہ برداشت کر سکتے ہوں۔ لہٰذا از روئے شریعت افراد عاقلہ کے لئے دیت کے حصوں کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں بلکہ اس کا تعلق قاضی کے اجتہاد سے ہے کہ وہ ہر ایک کی سہولت کے مطابق اس حصے کا تعین کر دے جس کا ادا کرنا اس کے لئے لازمی ہو۔ مقدار کا تعین ایک توقیفی امر ہے جس کا تعلق رائے اور حکم سے نہیں ہے البتہ ضروری ہے کہ عدالت فریقین کے حالات کا جائزہ لے کر کوئی قابل عمل صورت تجویز کرے۔ اب چونکہ اس مسئلے سے متعلق کوئی نص موجود نہیں ہے' لہٰذا نفقہ کی مقدار کے تعین کی طرح اس مقدار کے تعین میں بھی قاضی کے اجتہاد کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ امام احمدؒ سے ایک اور روایت بھی مروی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اگر عاقلہ کا کوئی فرد خوش حال ہے تو اس پر نصف دینار عائد ہو گا کیونکہ زکوٰۃ

کے حساب میں یہ مال کی کم سے کم مقدار ہے' لہٰذا یہاں بھی اس کا اعتبار ہو گا۔ متوسط درجے کے فرد پر ایک چوتھائی دینار کی ادائیگی لازم ہو گی کیونکہ اس سے کم مقدار بالکل ہی معمولی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا بھی ایسی نہیں دی جاتی۔ رہے فقراء تو ان پر کچھ عائد نہ ہو گا کیونکہ ان پر جو بھی کم سے کم مقدار عائد کی جائے گی وہ ان کے لئے تکلیف کا باعث اور بوجھ بن جائے گی۔ (۹۶)

امام شافعیؒ کا مسلک' امام احمد کے دوسرے قول کے مطابق ہے یعنی یہ کہ خوش حال پر نصف دینار' متوسط پر ربع (ایک چوتھائی) دینار اور فقیر پر کوئی شے لازم نہیں ہو گی کیونکہ وہ کسی کی مالی مدد کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اگر اس پر کوئی ادائیگی لازم قرار دی گئی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جو بوجھ مجرم پر پڑنا چاہئے تھا وہ بے قصور فقراء پر ڈال دیا گیا ہے' حالانکہ فقہی اصول یہ ہے کہ مجرم پر عائد ہونے والے بوجھ کو اس طرح دور نہ کیا جائے کہ اس سے دوسرے لوگ مشقت میں پڑ جائیں۔ (۹۷)

افراد عاقلہ پر دیت کی مقدار کے تعین کی صورت میں فقہاء کے مابین یہ اختلاف ہے کہ کیا نصف دینار اور ربع (ایک چوتھائی) دینار مقدار کی ادائیگی تین برس پر منقسم ہو گی یا یہ مقدار سال بسال عائد ہو گی؟ اس مسئلے میں دو رائے ہیں: ایک یہ کہ مقررہ مقدار ہر سال لازم آئے گی اور ایسے شخص پر جو خوش حال ہوجو مقدار لازم آئے گی وہ مجموعی طور پر ایک دینار اور نصف دینار ہو گی۔ اسی طرح متوسط درجے کے شخص پر تین چوتھائی دینار کی ادائیگی لازم ہو گی۔ اس کی توجیہہ اس طرح بھی کی گئی کہ یہ حق بطور مواسات (تعاون و ہمدردی) سال کے گزرنے سے متعلق ہے اس لئے زکوٰۃ کی طرح سال کے گزرنے کے ساتھ عائد ہو گا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ دیت کی عائد شدہ مقداریں سال کے اختتام پر لازم نہیں ہوں گی بلکہ تین سال پر عائد شدہ تمام مقدار بیک وقت لازم ہے جس کی ادائیگی تین سال پر تقسیم کر دی

گئی ہے' کیونکہ عاقلہ کا ہر فرد اسی مقدار کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا اس پر اضافہ کرنا اس کے ساتھ زیادتی اور مزید بوجھ ڈالنے کے مترادف ہے۔(۹۸)

اگر عاقلہ کے افراد کی تعداد زیادہ ہو تو امام احمدؒ کے نزدیک ان پر دیت عائد کرنے کی دو صورتیں ہوں گی: ایک صورت یہ ہے کہ قاضی مجموعی طور پر سب پر دیت عائد کر کے ہر ایک کے لئے اس کی مناسب مقدار کا تعین کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قاضی دیت کا جو حصہ خوش حال شخص پر عائد کرے اس کا نصف متوسط پر عائد کر دے اور اس اصول کا اطلاق سب پر کرے۔ (۹۹)

اس سلسلے میں مسلک شافعیؒ کے بھی دو اقوال ہیں: ایک تو وہی جو امام احمد کے مسلک کا دوسرا قول ہے' جو یہ ہے کہ عاقلہ کے ہر فرد پر نفاذ دیت کامعاملہ قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ ہرایک پر دیت کی موزوں مقدار متعین کر دے تاکہ یہ نہ ہو کہ ایک شخص پر تو اتنی کم مقدار آئے جو بالکل معمولی ہو' اور دوسرے پر ایک قیراط (بڑی مقدار) عائد ہو جائے جس کا ادا کرنا اس کے لئے مشکل ہو اور اس طرح تمام لوگ دشواری میں پڑ جائیں۔ (۱۰۰)

اگر عاقلہ کے افراد کی تعداد اتنی کم ہو کہ واجب الادا پوری دیت ان پر نہ ڈالی جا سکے تو اس کی نسبت امام احمد کے مسلک میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ دیت افراد عاقلہ پر ڈالنے کے بعد جو بقیہ ہو وہ بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ بیت المال سے دیت کی ادائیگی کے دشوار ہونے کی صورت میں بقیہ دیت کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مجرم پر کوئی شے عائد نہیں ہوگی' کیونکہ دیت اولاً عاقلہ ہی پر عائد ہوتی ہے اس لئے کسی اور پر عائد نہیں ہو گی۔ جیسے اگر قاتل معدوم ہو جائے تو دیت کسی پر عائد نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں عاقلہ کے جتنے افراد موجود ہوں گے وہ دیت کا اپنا اپنا حصہ ادا کریں گے اور بقیہ دیت ساقط ہو جائے گی۔ اور کسی پر عائد نہیں ہو گی۔

دوسری رائے یہ ہے کہ بقیہ دیت مجرم پر عائد ہو گی تاکہ مقتول کا خون رائیگاں نہ جائے' کیونکہ عاقلہ پر دیت عائد ہونے کی جو وجہ تھی وہ یہاں باقی نہیں رہی' عاقلہ پر دیت ابتدا عائد نہیں ہوتی۔ اگر اس بات کو تسلیم بھی کرلیا جائے کہ دیت ابتدا عاقلہ ہی پر عائد ہوتی ہے تو وہ عاقلہ کے وجود اور افراد عاقلہ کے کافی ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر عاقلہ موجود نہ ہو یا اس کے افراد کافی نہ ہوں تو اس صورت میں عاقلہ پر دیت کے واجب ہونے یا اس کے بقیہ حصے کے عاقلہ پر عائد ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ (۱۰۱) اس سلسلے میں شافعی مسلک کی رائے بھی وہی ہے جو امام احمد کے مسلک کی ہے۔ (۱۰۲)

امام مالکؒ کے مسلک میں عاقلہ کے ہر فرد پر عائد ہونے والی دیت کی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک دیت افراد عاقلہ پر ان کی استطاعت کے مطابق عائد کی جائے گی۔ مالکی مسلک کے فقہاء نے اس مسئلے کی وضاحت کے لئے افراد عاقلہ کی کم سے کم تعداد بھی بیان کی ہے جو بعض کے نزدیک سات سو اور بعض کے نزدیک ایک ہزار سے زائد ہے۔ کم ہونے کی صورت میں ان کے علاقے سے متصل علاقے میں رہنے والے افراد کو شامل کر کے تعداد پوری کی جائے گی۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو عاقلہ کے جو افراد موجود ہوں ان پر عائد ہونے والی دیت وصول کر کے بقیہ حصے کی ادائیگی بیت المال سے کی جائے گی۔ اگر عاقلہ کے افراد زیادہ اور مرتبے میں مساوی ہو تو دیت سب پر عائد کی جائے گی اور ہر ایک اپنا اپنا حصہ ادا کرے گا۔(۱۰۳)

حنفی فقہائے کرام کے نزدیک عاقلہ کے ہر فرد پر جو دیت عائد کی جائے گی اسکی مقدار متعین ہے یعنی تین یا چار درہم فی کس۔ یہی وہ مجموعی مقدار ہے جو عاقلہ کے ہر فرد کو تین سال میں ادا کرنا پڑے گی۔ گویا ہر سال ایک درہم یا ایک درہم اور ثلث لیا جائے گا۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ ہر سال ایک سے تین یا ایک سے چار درہم

وصول کیے جائیں گے۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔(۱۰۴)

اگر عاقلہ کے افراد کی تعداد زیادہ ہو اور اس کے نتیجے میں ان پر عائد ہونے والی دیت کی مقدار مندرجہ بالا مقدار سے کم ہو جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ لیکن اگر ان کی تعداد کم ہو تو قریبی قبائل کو شامل کر کے یہ تعداد پوری کی جائے گی خواہ وہ (قبائل) اہل دیوان ہوں یا کوئی اور۔(۱۰۵)

ماخذ و مصادر

۱۔ شیخ محمود شلتوت الاسلام عقیدہ و شریعہ، مطبوعہ دارالشرق ۱۹۷۲ء ص ۵۰۲۔۵۰۳

۲۔ الشاطبی، الموافقات، ج ۱، ص ۲۸۵۔۲۸۶۔

۳۔ ابن حزم، المحلی، ج ۱۱، ص ۵۴۔

۴۔ الشوکانی، نیل الاوطار، ج ۷، ص ۸۶۔

۵۔ السرخسی، المبسوط، ج ۲۶، ص ۱۸۸۵۔

۶۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ص ۱۸۸۵، طبع دارالشعب۔

۷۔ ابن قدامہ، المغنی، ج ۹، ص ۴۷۔ الشوکانی، نیل الاوطار، ج ۷، ص ۸۶۔ القرطبی، ص ۱۸۸۵۔ فتح القدیر، ج ۸، ص ۳۰۴۔ بدائع الصنائع، ج ۱۰، ص ۴۲۶۔ نہایہ المحتاج الی شرح المنہاج، ج ۷، ص ۲۷۔

۸۔ المبسوط، ج ۷، ص ۲۶۵۔

۹۔ بدایہ المجتہد، ج ۲، ص ۴۱۲۔

۱۰۔ المغنی، ج ۹، ص ۳۸۸۔۳۸۹۔

۱۱۔ المحلی، ج ۱۱، ص ۵۵۔۵۶۔

۱۲۔ نیل الاوطار، ج ۷، ص ۸۶۔

۱۳۔ القرطبی، ص ۱۸۸۵۔ المبسوط، ج ۶، ص ۲۶۵۔ بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۳۲۶۔ شیخ شلتوت، ص ۳۳۵۔

۱۴۔ المبسوط، ج ۶، ص ۲۶۔ فتح القدیر، ج ۸، ص ۳۰۴۔ حاشیہ ابن عابدین، ج ۶، ص ۶۳۱۔

۱۵۔ بدائع الصنائع ج ۱۰' ص ۴۶۶۲۔

۱۶۔ بدائع الصنائع' ج ۱۰' ص ۴۶۶۷۔۴۶۶۷۔ المبسوط' ج ۲۷'
ص ۱۲۵۔۱۳۲۔ فتح القدیر' ج ۸' ص ۴۰۲۔۴۰۵۔ حاشیہ ابن عابدین' ج ۶'
ص ۶۴۰۔

۱۷۔ ابن رشد' بدایہ المجتہد و نہایہ المقتصد' ج ۲' ص ۴۱۳۔ الخرشی علی مختصر
خلیل' ج ۸' ص ۳۵۔۳۶۔ حاشیہ الدسوقی' ج ۴' ص ۵۰۲۔۵۰۳۔

۱۸۔ المہذب الشیرازی' ج ۲' ص ۲۱۲۔۲۱۳۔

۱۹۔ المغنی لابن قدامہ' ج ۹' ص ۵۱۵۔۵۲۵۔

۲۰۔ المحلی' ج ۱۱' ص ۵۹۔

۲۱۔ نیل الاوطار' ج ۷' ص ۸۶۔

۲۲۔ حاشیہ الدسوقی' ج ۴' ص ۲۸۳۔

۲۳۔ ابن حزم نے اس سلسلے میں حضرت عمرؓ سے منسوب امر کی سند کی
تحقیق کر کے اس کا فساد ثابت کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دعویٰ باطل ہے اور
اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ المحلی' ج ۱۱' ص ۵۷۔۵۸۔

۲۴۔ المغنی' ج ۴' ص ۲۸۳۔

۲۵۔ المبسوط' ج ۲۷' ص ۱۴۶۔ فتح القدیر' ج ۸' ص ۴۰۳۔ بدائع الصنائع
ج ۱۰۔ حاشیہ ابن عابدین' ج ۶' ص ۶۴۱۔

۲۶۔ المبسوط ج ۲۷' ص ۱۴۶۔ فتح القدیر' ج ۸' ص ۴۰۳۔

۲۷۔ حاشیہ ابن عابدین' ج ۶' ص ۶۴۱۔ الخرشی' ج ۸' ص ۳۵۔
حاشیہ الدسوقی' ج ۴' ص ۲۸۳۔

۲۸۔ حاشیہ ابن عابدین' ج ۶' ص ۶۴۳۔

۲۹۔ حاشیہ ابن عابدین، ج ۶، ص ۶۴۱۔

۳۰۔ حاشیہ الدسوقی، ج ۴، ص ۶۴۱۔ حاشیہ الخرشی ج ۸، ص ۶۴۱۔

۳۱۔ حاشیہ ابن عابدین، ج ۸، ص ۶۴۱۔

۳۲۔ ابن قدامہ، ج ۸، ص ۵۱۶۔

۳۳۔ الجامع الصحیح لمسلم

۳۴۔ المہذب الشیرازی ج ۲، ص ۲۱۳۔ المغنی لابن قدامہ، ج ۹، ص ۵۱۵۔۵۱۶۔

۳۵۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۱۶۔

۳۶۔ المحلی، ج ۱۱، ص ۵۹۔

۳۷۔ الخرشی، ج ۸، ص ۴۵۔ حاشیہ الدسوقی، ج ۴، ص ۲۸۳۔ المہذب الشیرازی، ج ۲، ص ۲۱۳۔

۳۸۔ المہذب، ج ۲، ص ۲۱۳۔

۳۹۔ المبسوط، ج ۲۷، ص ۱۲۸۔

۴۰۔ حاشیہ الدسوقی، ج ۴، ص ۲۸۴۔ المبسوط، ج ۲۷، ص ۱۲۸۴۔ التکملہ الثانیہ من المجموع، ج ۷، ص ۷۴۔

۴۱۔ المبسوط بحوالہ سابق۔ زرقانی کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے چونکہ ہر ایک براہ راست اتلاف میں شریک ہے، اس لئے ہر ایک دیت ادا کرے گا۔ حاشیہ الدسوقی، ج ۴، ص ۲۸۴۔

۴۲۔ المبسوط بحوالہ سابق۔

۴۳۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۲۳۔۵۲۴۔ المہذب، ج ۲، ص ۲۱۳۔

۴۴۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۲۳۔ المہذب، ج ۲، ص ۲۱۳۔ حاشیہ الدسوقی،

ج ۴ ص ۲۸۴۔

۴۵۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۲۳۔

۴۶۔ حاشیہ الدسوقی، ج ۴، ص ۲۸۴۔

۴۷۔ المبسوط، ج ۲۷، ص ۱۲۳ ۔ فتح القدیر، ج ۸، ص ۴۰۹۔۴۱۰ ۔ المہذب، ج ۲، ص ۲۱۳۔

۴۸۔ محمد ابو زہرہ، نظریہ العقد، ص ۴۰۲ ۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۱۸۔

۴۹۔ حاشیہ الدسوقی، ج ۴، ص ۲۸۴۔۲۸۵۔

۵۰۔ المہذب، ج ۲، ص ۲۱۴۔

۵۱۔ حاشیہ الدسوقی، ج ۴، ص ۲۸۴۔۲۸۵۔

۵۲۔ المبسوط، ج ۲۷، ص ۱۲۸۔

۵۳۔ المغنی، ج ۹، ص ۱۲۸۔

۵۴۔ المبسوط، ج ۲۷، ص ۱۲۔ بدائع الصنائع، ج ۱۰، ص ۴۶۶۔۴۶۷۔

۵۵۔ المبسوط، ج ۲۷، ص ۱۳۳ ۔ فتح القدیر، ج ۸، ص ۴۰۹ ۔ حاشیہ الدسوقی، ج ۴، ص ۳۸۳ ۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۷۔

۵۶۔ سائبہ میں وہ شخص بھی شامل ہے جس کی عاقلہ ہو لیکن دیت کی ادائیگی کے لئے اسکے پاس کچھ نہ ہو۔

۵۷۔ بدائع الصنائع، ج ۱۰، ص ۴۶۸ ۔ ابن عابدین کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے خوارزم میں دیت صرف مجرم پر عائد ہوتی ہے کیونکہ قبائل ختم ہو گئے، آپس میں مناصرت کا جذبہ ختم ہو گیا اور بیت المال باقی نہیں رہا۔ حاشیہ ابن عابدین، ج ٦، ص ٦۴۰۔

۵۸۔ الخرشی، ج ۸، ص ۴۶۔

۵۹۔ المھذب، ج ۲، ص ۲۱۲۔ ۲۱۳۔

۶۰۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۲۴۔۵۲۵۔

۶۱۔ المحلی، ج ۱۱، ص ۵۹۔

۶۲۔ ابن المنذر، الاجماع، تحقیق الدکتور عبدالمنعم فواد، قطر۔ ص ۱۲۰، اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر امام اور قاضی فیصلے اور اجتہاد کے علاوہ امر میں خطا کرے تو عاقلہ پر دیت ہو گی لیکن اگر خطا اجتہاد پر مبنی ہو تو اس کے بارے میں امام شافعی اور امام احمد کے مسلک میں دو آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ دیت عاقلہ پر عائد ہو گی اور دوسری رائے یہ ہے کہ بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۱۰۔ المھذب، ج ۲، ص ۲۱۱۔

۶۳۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۸۸۔۵۸۹۔

۶۴۔ فتح القدیر، ج ۸، ص ۳۶۳۔ بدایہ المجتہد، ج ۲، ص ۴۱۲۔۴۱۳۔ المغنی ج ۹، ص ۵۰۴۔

۶۵۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۰۲۔ المھذب، ج ۲، ص ۴۱۱۔۴۱۳۔ بدائع الصنائع

۶۶۔ جائفہ وہ زخم ہے جو پیٹ میں یا پشت پر لگے اور اندر تک چلا جائے۔ اس زخم کی دیت ایک تہائی ہے۔ آمہ سر پر آنے والا وہ زخم ہے جو دماغ تک پہنچ جائے اور اس میں اور دماغ میں صرف باریک جھلی باقی رہ جائے۔

۶۷۔ الخرشی، ج ۸، ص ۴۵۔ مالکی فقہاء اس ضمن میں اصلی دیت اور بدلی دیت میں فرق کرتے ہیں۔ بدلی دیت وہ ہے جو قصاص کے واجب ہونے کے بعد اس کے سقوط کے نتیجے میں لازم آئے۔ مثلاً اولیائے مقتول قاتل کو معاف کر دیں، یا ایسے اعور (کانے) شخص نے جس کی دائیں آنکھ نہ ہو کسی شخص کی دائیں آنکھ نکال دی ہو۔ یہ دیت عاقلہ پر عائد نہیں ہو گی۔ اصلی

دیت یعنی ایسے زخموں کی دیت جن میں سرے سے قصاص عائد نہ ہوتا ہو جیسے جائفہ' آمہ اور ران کی ہڈی توڑ دینا۔ یہ دیت عاقلہ پر عائد ہو گی۔ غرض ان کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اگر قصاص واجب ہونے کے بعد ساقط ہو جائے تو عاقلہ پر دیت عائد نہیں ہوتی لیکن اگر قصاص ممتنع ہو تو عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے۔

۶۸۔ المغنی' ج ۹' ص ۴۰۳۔

۶۹۔ المبسوط' ج ۲۶' ص ۶۵ ' ج ۲۷' ص ۱۲۴ ۔ فتح القدیر' ج ۷' ص ۲۵۱۔۲۵۲ و ۴۰۲۔۴۰۳۔ المہذب ج ۲' ص ۱۱۱۔ المغنی ج ۹' ص ۳۳۷۔۳۳۸' ص ۴۸۹۔ و ۴۹۲

۷۰۔ المغنی' ج ۹' ص ۵۰۴' احکام القرآن للقرطبی' ص ۱۸۹۰' ۔ الخرشی و حاشیہ العدوی' ج ۸' ص ۴۴۔

حاشیہ الدسوقی' ج ۴' ص ۲۸۲ ۔ بدائع الصنائع' ج ۱۰' ص ۴۶۵ ۔ المبسوط ج ۲۷' ص ۱۲۱۔

فتح القدیر' ج ۴' ص ۴۱۳ ۔ حاشیہ ابن عابدین' ج ۶' ص ۶۴۱۔

۷۱۔ الکاسانی اور بعض دیگر فقہائے احناف اس حکم کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ عاقلہ اس دیت کا بار اٹھاتی ہے جو نفس قتل سے لازم آیا ہو۔ جو کسی اور وجہ سے لازم آیا ہو وہ بار عاقلہ برداشت نہیں کرتی۔ چنانچہ عاقلہ پر صلح کا مال لازم نہ ہو گا' کیونکہ مصالحت کا بدل قتل کے نتیجے میں لازم نہیں ہوا ہے بلکہ معاہدہ مصالحت کے نتیجے میں لازم ہوا ہے۔ اسی طرح اقرار کے نتیجے میں لازم ہونے والی دیت بھی عاقلہ پر عائد نہیں ہو گی کیونکہ یہ دیت اقرار کے

نتیجے میں لازم ہوئی ہے' قتل کے نتیجے میں لازم نہیں ہوئی۔
بدائع الصنائع' ج ۱۰' ص ۴۶۵۔

۷۲۔ المغنی' ج ۹' ص ۵۰۵۔

۷۳۔ المجموع شرح المہذب (التکملہ الثانیہ) ج ۷' ص ۴۷۰ ۔ مسلک شافعی کی کتب میں دو قدیم اقوال منقول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ عاقلہ پر دیت نفس عائد ہوگی مگر اس کی مقدار ثلث سے کم نہ ہوگی۔ تکملہ شرح المہذب بحوالہ مذکورہ ص ۴۷۰۔

۷۴۔ جان کے علاوہ زخموں کی دیت کو ارش کہا جاتا ہے۔ موضحہ سر اور چہرے کے زخم کی ایک قسم ہے۔ اس شبہہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو سر کی ہڈی تک پہنچ جائے۔ موضحہ اس زخم کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں ہڈی نظر آجاتی ہے۔

۷۵۔ المبسوط' ج ۲۷' ص ۱۲۷' ۱۲۸۔

۷۶۔ المغنی' ج ۹' ص ۵۰۵-۵۰۶ ۔ قرطبی' ص ۱۸۹۰ ۔ الموطا ص ۵۰۷۔

۷۷۔ حاشیہ الدسوقی' ج ۴' ص ۲۸۲۔ الخراشی ج ۸' ص ۴۵۔

۷۸۔ فقہاء کے درمیان کتابی کی دیت اختلاف کا موضوع ہے۔ مسلک شافعی کے مطابق کتابی کی دیت مسلم کی دیت کا ثلث ہے۔ احمد اور مالک کے مسلک کے مطابق یہ مسلم شخص کی دیت کا نصف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی وہی دیت ہے جو مسلم کی ہے۔

۷۹۔ المغنی' ج ۹' ص ۵۰۷۔

۸۰۔ حاشیہ الدسوقی' ج ۴' ص ۲۸۵-۲۸۶۔

۸۱۔ الموطا' ص ۵۰۷' بدایہ المجتہد' ج ۲۔ المہذب' ج ۲' ص ۱۱ ۔ المغنی' ج ۹'

ص ۵۰۹۔

اگر جنایت مجرم کے علاوہ کسی اور پر ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ عمد کی طرح ہے کیونکہ اس میں کوئی عذر نہیں ہے۔

۸۲۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۰۹۔

۸۳۔ المغنی، ج ۹، ص ۴۹۰ ۔ خوارج کے ایک گروہ کی یہ رائے نقل کی گئی ہے کہ عاقلہ پر دیت لازم ہے کیونکہ یہ بدل اتلاف ہے۔ ابن قدامہ اس رائے پر گرفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ رائے ہمیں کسی ایسے فقیہ کی جانب سے نہیں ملی جس کی رائے کا اعتبار ہو۔ بحوالہ سابق، ص ۴۹۲۔

۸۴۔ احکام القرآن، ص ۱۸۶۰۔

۸۵۔ المغنی، ج ۹، ص ۴۱۷۔

۸۶۔ پہلی رائے امام مالکؒ کا مسلک ہے اور دوسری امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے اور دونوں آراء امام شافعی اور امام احمد کے مسلک میں بھی موجود ہیں۔ الخرشی، ج ۸، ص ۴۷ ۔ المغنی، ج ۹، ص ۴۹۴ ۔ تکملہ المجموع شرح المہذب، ج ۱۷، ص ۴۷۸۔۴۷۹۔

۸۷۔ بدائع الصنائع، ج ۱۰، ص ۴۶۷، فتح القدیر، ج ۸، ص ۴۰۴ ۔ الخرشی ج ۸، ص ۴۷۔

۸۸۔ الخرشی، ج ۸، ص ۴۸۔

۸۹۔ تکملہ المجموع شرح المہذب، ج ۱۷، ص ۴۷۸۔

۹۰۔ المغنی، ج ۹، ص ۴۹۳۔

۹۱۔ تکملہ المجموع شرح المہذب، ج ۱۷، ص ۴۷۷۔۴۷۸۔

۹۲۔ المبسوط، ج ۲۷، ص ۱۳۱۔۱۳۲۔ الخرشی، ج ۸، ص ۴۷ ۔ مالکی مسلک کی

یہی مشہور رائے ہے' اس کے مقابل دوسری رائے یہ ہے کہ جس روز مقتول قتل ہوا ہو اس روز سے دیت عائد ہو گی نہ کہ صدور حکم کی تاریخ سے۔ حاشیہ العدوی بہامش الخرشی۔

۹۳۔ فتح القدیر' ج ۸' ص ۴۰۵-۴۰۶۔ کمال الدین ابن الہمام نے اس توجیہہ کی صحت پر اعتراض کرتے ہوئے اسے محل نظر قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر فقہاء کی مراد یہ ہے کہ ہر متلف کا ضمان بالمثل ہے اور یہ اصول اس قدر مطلق ہے کہ اس میں قتل خطا بھی شامل ہے تو یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ فرمان الہٰی میں قتل خطا کی سزا تحریر رقبہ مومنہ اور دیت قرار دی گئی ہے جو اس بات کی نص صریح ہے کہ قتل خطا میں غلام آزاد کرنا اور دیت لازم آتی ہے۔ قتل کے بدلے میں قتل کرنا لازم نہیں آیا۔ بلا شبہ یہ فرمان الہٰی بھی موجود ہے کہ ایسی ہی تم بھی اس پر زیادتی کی ہے' یہ فرمان الہٰی مطلق ہے اور اگر قرآن کریم میں قتل خطا کا خصوصی حکم بیان نہ ہوتا تو یہ عام حکم اس پر بھی مشتمل ہوتا۔ مگر جب قتل خطا میں دیت لازم آنے کا حکم نص میں صراحتاً مذکور ہو گیا ہے تو یہ حکم قضاء سے پہلے ہی ثابت ہے اور اب اس کے ثبوت کے لئے قضا کی ضرورت نہیں ہے۔

۹۴۔ المغنی' ج ۹' ص ۵۲۰ ۔ حاشیہ الدسوقی' ج ۴' ص ۲۸۴۔ تکملہ شرح المہذب' ج ۱۷' ص ۴۹۶۔

۹۵۔ المغنی' ج ۹' ص ۵۲۰۔

۹۶۔ تکملہ شرح المہذب' ج ۱۷' ص ۴۹۱۔

۹۷۔ المغنی' ج ۹' ص ۵۲۱۔

۹۹۔ تکملہ شرح المہذب' ج ۱۷' ص ۴۸۱-۴۹۰۔

۱۰۰۔ المغنی، ج ۹، ص ۵۲۵۔۵۲۶۔

۱۰۱۔ تکملہ شرح المہذب، ج ۱۷، ص ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۹۲۔

۱۰۲۔ حاشیہ الدسوقی، ج ۴، ص ۲۸۴۔۲۸٦۔ بدایہ المجتہد، ج ۲، ص ۴۱۲۔

۱۰۳۔ حاشیہ ابن عابدین، ج ٦، ص ٦۴۴۔

۱۰۴۔ بدائع الصنائع، ج ۱۰، ص ۴٦۸۔

9
A

08.

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد